اردو کی ترویج واشاعت میں
غیر مسلموں کی خدمات

تالیف حیدر

خسرو فاؤنڈیشن، نئی دہلی

©جملہ حقوق بحق خسرو فاؤنڈیشن محفوظ ہیں۔

URDU KI TARWEEJ O ISHA'AT MEIN
GHAIR MUSLIMON KI KHIDMAT

Taleef Haider

نام کتاب : **اردو کی ترویج واشاعت میں غیر مسلموں کی خدمات**

مصنف : **تالیف حیدر**

صفحات : 122

اشاعت : 2021ء

قیمت : -/150روپے

پرنٹر : الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی

ناشر : خسرو فاؤنڈیشن، ڈی-319، ڈیفینس کالونی، نئی دہلی-110024

ملنے کا پتہ

FBD
باہتمام: ناصر خان
فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT(Pvt.)Ltd.
Corp. Off : 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, N. Delhi-2
Ph : 011-23289786, 011-23289159, 011-23278954, 011-23279998
NASIR KHAN : +91-9250963868 Mob : +919560870828
E-mail : faridbookcorner@gmail.com Whatsapp : +91-9717968328

انتساب

غیر مسلم ادبا کے نام

فہرست مضامین

تقدیم	7
پیش لفظ	5
اردو کا ابتدائی زمانہ اور غیر مسلم قواعد نویس و ماہر لسانیات	13
اردو کے قدیم تذکروں اور ادبی تاریخوں میں غیر مسلم شعرا و ادبا	27
اردو ادب کی دو صدیاں اور غیر مسلم شاعر و ادیب	63
اردو کی ترویج و اشاعت اور غیر مسلموں کی دیگر خدمات	87
کتابیات	115
خسرو فاؤنڈیشن: ایک نئی پہل	119

تقدیم

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا بلکہ ہر مذہب کو زبانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جہاں کچھ کوسوں کے بعد پانی اور بانی دونوں بدل جاتے ہوں، دستور ہند کی شیڈیول-8 میں 22 زبانوں کا اردو سمیت تسلیم کیا جانا اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اردو وہ زبان ہے جس کو پروان چڑھانے اور توانا بنانے میں اس ملک کے رہنے والوں نے مل جل کر بڑا اہم رول انجام دیا ہے۔ بعض سیاسی ضرورتوں کے تحت یہ پروپگینڈا عام کیا گیا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور یہ تقسیم وطن کے لئے ذمہ دار ہے، جب کہ اس سے بڑا جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم بنگالی، پنجابی اور سندھی پر یہ الزام عائد نہیں کرتے لیکن اردو بیچاری پر یہ الزام عائد کرنے میں ہمیں اکثر تکلف نہیں ہوتا جب کہ درحقیقت عالم فتح پوری کے بقول سچائی یہ ہے کہ:

اک طرف ہاتھ میں شنکرؔ کی ہے گلزارِ نسیم\
دوسرے ہاتھ میں چکبستؔ کی رامائن ہے\
کیا غضب کرتے ہو مسلم کی زباں کہتے ہو\
اپنی سیتا ہی کو بَن باس دیے دیتے ہو

درحقیقت اردو کی ترویج واشاعت میں غیر مسلموں کی خدمات مسلم ہیں، جن کا تذکرہ اردو کی ادبی تاریخوں میں کیا جاتا رہا ہے۔ ساتھ ہی مختلف ادیبوں نے اس موضوع پہ باقاعدہ کتابیں مرتب کی ہیں۔ غیر مسلم شعرا گزشتہ چار صدیوں سے اردو زبان میں شعر کہہ رہے ہیں اور ہندوستانی قواعد نویس پراکرت کے عہد سے جوں جوں زبان کا کینڈا تبدیل ہو رہا ہے اس کے لسانی اصول مرتب کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں اردو زبان کے متعلق یہ غلط فہمی 1947 کے بعد بہت تیزی سے عام ہوتی چلی گئی کہ اس زبان کے لسانی اصول مسلمانوں نے مرتب کیے اور اس کی ادبی شناخت بھی انہیں نے قائم کی۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کہا جاتا ہے اور یہ ان کا حق بھی ہے لیکن یہ بات قطعی نامناسب اور صریحاً غلط ہے کہ اردو میں جو کام مولوی عبدالحق جیسے اکابرین نے کیا ویسا یا اس سے بھی کچھ بڑھ کر غیر مسلم ادیبوں اور ادب نوازوں نے نہ کیا ہو۔ منشی نولکشور اور دیا شنکر نسیم، سرور جہان آبادی، پنڈت رتن ناتھ سرشار، جگت موہن لال رواں اور پنڈت دتا تریہ کیفی وغیرہ کو کیوں کر فراموش کیا جا سکتا ہے؟ موجودہ عہد میں آنند موہن زتشی، گلزار دہلوی اور گوپی چند نارنگ جیسے ذی علم ادیبوں کو جو اردو کی خدمت میں تاعمر کوشاں رہے انہیں بھلا دینا ناممکنات میں سے ہے۔ سیاسی کشمکش میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک طبقے سے کسی زبان کو جوڑ کر پیش کیا جانے لگتا ہے، لیکن حقیقی بنیادیں تلاش کی جائیں تو یہ امر واقعتاً سامنے آتا ہے کہ کسی زبان کا کسی ایک خاص طبقے یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اردو میں رامائن اور گیتا کے جتنے ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اسی طرح بائبل اور قرآن

کے تراجم کی کاپیاں چھپتی اور پڑھی جاتی ہیں۔علامہ اقبال اور فیض کا کلام جس قدر شائع ہوتا ہے رابندر ناتھ ٹیگور اور تلسی داس کو بھی اتنا ہی ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو کو صرف ایک زبان سے بڑھ کر ایک تہذیب کا درجہ حاصل ہے اور اسے گنگا جمنی زبان کہا جاتا ہے۔گزشتہ برسوں میں اردو میں غیر مسلموں کی ادبی خدمات پہ مختلف نوعیتوں کا کام ہوا، جس میں سے کچھ تحقیقی مقالے بھی تھے۔غیر مسلموں کی افسانوی خدمات، ان کی شعری خدمات، ان کی لسانیاتی خدمات، تنقیدی اور تحقیقی خدمات پہ کتب لکھی گئیں اس کے باوجود ابھی اس موضوع پہ بہت سا کام ہونا باقی ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کے قدیم تذکروں میں جتنے غیر مسلم شعرا کا ذکر ملتا ہے ان میں سے دو فیصد شاعروں کے کلیات بھی ابھی تک متنی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں مرتب نہیں ہوئے ہیں۔شمال سے دکن تک اور گجرات سے آسام تک ایسے بے شمار شاعر ہیں جن کا ذکر میر تقی میر کے تذکرے نکات الشعرا سے لالہ سری رام کے تذکرے خم خانہ جاوید تک پھیلا ہوا ہے۔علاوہ ازیں بیسویں صدی میں افسانوی ادب کی ابتدا پریم چند سے ہوئی۔1904 میں ان کا پہلا افسانہ زمانہ کانپور میں شائع ہوا جس کی تحقیق سے مرزا حامد بیگ نے یہ ثابت کیا کہ پریم چند کو ہمارے یہاں سب سے پہلے افسانہ نگار ہونے کا شرف حاصل ہے، مگر ان کے بعد اس ضمن تحقیق کا کام بہت دھیمی رفتار سے آگے بڑھا۔اس ضمن میں دیپک بدکی کی کتاب سے کسی تحقیقی افسانوی میدان میں غیر مسلموں کی خدمات کے اعتراف کی کچھ تلافی ہوئی لیکن ایسے بے شمار افسانہ نگار اور ناول نگار ابھی تک محو انتظار ہیں کہ ان کے کلیات مرتب کیے

جائیں۔ ایک ناگزیر امر اردو کے قواعد نویسوں میں غیر مسلموں کی خدمات کو اجاگر کرنے کا عمل ہے جس سے اردو میں خاصی بے توجہی برتی گئی ہے۔ اس ضمن میں دتاتریہ کیفی سے نارنگ تک بعض ادیبوں کی لسانی خدمات کا تذکرہ بار بار ہوتا رہا ہے مگر بہت سے قواعد نویس جن کے اسما زیر نظر مونوگراف میں شامل ہیں ان سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

خسرو فاؤنڈیشن کی تحریک پر تصنیف کئے گئے اس مونوگراف کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں ابتدا سے موجودہ عہد تک اردو کے بیشتر غیر مسلموں کا تذکرہ آ گیا ہے۔ ادوار کے حساب سے ان شعرا کا ذکر بھی اس میں شامل ہے جن کو تاریخ میں فراموش کیا گیا اور ان لسانیات کے ماہرین، افسانہ نگار، محققین، ناقدین اور زبان داں حضرات کا بھی جن کی علمی خدمات سے ہم کم کم ہی واقف ہیں۔

اس کے مصنف تالیف حیدر اردو کی نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اب تک چار کتابیں منظر عام پہ آ چکی ہیں جن میں خواجہ میر درد پہ لکھی ہوئی ان کی کتاب سے درد سے متعلق تحقیقی اور تنقیدی مباحث میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے تنقید اور تخلیق کا بھی کام کیا ہے اور ندا فاضلی اور فہمیدہ ریاض کی کلیات کا اردو سے ہندی میں ترجمہ بھی کیا ہے جسے وانی پرکاشن نے شائع کیا۔ اس مونوگراف میں انہوں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ موجودہ عہد کے جو نوجوان شعرا ہیں ان کے کلام کے نمونے بھی اس کتاب میں شامل ہو جائیں تاکہ کل کو جب تاریخ رقم ہو تو ان شعرا کو بھی فراموش نہ کیا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ تالیف حیدر نے یہ مونوگراف تلاش بسیار اور تحقیقی منہج کو

ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے۔ امید ہے کہ اس نوعیت کے علمی کاموں سے عوام الناس مستفید ہوگی اور غیر مسلم ادیبوں کی خدمات کوفراموش نہ کرتے ہوئے ان کے کارناموں سے واقفیت حاصل کرے گی۔

پروفیسر اختر الواسع

چیئرمین

خسرو فاؤنڈیشن

پیش لفظ

اردو زبان میں غیر مسلموں کی ادبی خدمات پہ یوں تو کئی کتب لکھی جا چکی ہیں، لیکن ابھی بھی اس موضوع پہ بہت کام ہونا باقی ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو کی ادبی تاریخوں میں غیر مسلم شعرا کی ادبی خدمات کا اعتراف جس طرح ہونا چاہیے ویسا نظر نہیں آتا۔ان غیر مسلموں میں زیادہ حصہ یقیناً ہندوستان کے ہندو ادیبوں کا ہے، علاوہ ازیں جن مستشرقین اور عیسائیوں نے اردو کی ادبی خدمات انجام دیں ان کو بھی ہم فراموش کرتے چلے آرہے ہیں۔اردو کی ایک ایسی تاریخ اب تک مرتب نہیں ہو پائی ہے جس میں اس زبان کے چوطرفہ لکھنے والوں کا مکمل ذکر ہوا ہو۔شمس الرحمن فاروقی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ ہمیں اردو کی ایک مکمل تاریخ درکار ہے۔علاقائی اعتبار سے اگر ہم اردو زبان کے ادبی کاموں کا جائزہ لیں تب تو یہ دائرہ اور بھی وسیع ہو جائے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ پروفیسر اختر الواسع کے حکم پہ مجھے اس موضوع پہ کام کرنے کا موقع ملا جس سے خود میری معلومات میں بھی خاصہ اضافہ ہوا۔ یقیناً اس موضوع کو ایک مونوگراف میں سمیٹنا مشکل ترین امر تھا،لیکن میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ یہ کام بہتر انداز میں ہو سکے۔

احقر

تالیف حیدر

اردو کا ابتدائی زمانہ اور
غیر مسلم قواعد نویس و ماہر لسانیات

اردو زبان کی ابتدا کے متعلق بہت سے نظریات اب تک عام ہو چکے ہیں۔ اس زبان کے ابتدائی عہد اور اس کی جائے پیدائش پہ اب تک محققین میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اردو کے مشہور و معروف مورخ مرحوم جمیل جالبی نے تو اس زبان کا رشتہ اتنے قدیم عہد سے جوڑ دیا ہے کہ اس کے ثبوت کو مرتب انداز میں پیش کرنے کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہندوستان میں ڈاکٹر گریرسن نے ہندوستانی زبانوں کے قدیم ماخذات سے جس مدلل انداز میں بحث کی ہے اس سے نئی لسانی تھیوریز نے جنم لیا ہے۔ ڈاکٹر گریرسن نے جہاں ہندوستان کی علاقائی اور دیہاتی بولیوں کے لسانی رشتوں کا سراغ لگایا ہے اور ان کے خاندان کا نقشہ تیار کیا ہے وہیں اردو کے متعلق بھی انہوں نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ اس کا رشتہ کھڑی بولی سے ہے۔ یہ لفظ کھڑی ہے یا کھری یہ بھی بحث طلب موضوع ہے کیوں کہ کھری سے مراد خالص زبان ہے اور اردو کے علاوہ دنیا کی کئی زبانوں کی تاریخ میں یہ نظر آتا ہے کہ کسی زبان کے تشکیلی مراحل میں اسے اس طرح کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اردو کے بھی کئی نام تاریخ میں ملتے ہیں جن میں سے ایک مشہور نام ریختہ بھی ہے جو ایک عرصے تک اس زبان کے لیے

استعمال کیا گیا۔ بہر کیف اس زبان کی تشکیل کا عہد خواہ ہم لسانی تناظر میں جو بھی متعین کریں اپنے ان پیش رووں کی لسانی خدمات سے روگردانی نہیں کر سکتے جنہوں نے اس زبان کی تشکیل میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اردو کی تاریخوں میں ایسے بے شمار زبان دانوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مگر یہ امر غیر مصدقہ طور پہ عوام الناس میں عام قرار دیا جاتا ہے کہ اردو کی تشکیل میں مسلمانوں کے کردار پہ زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ علمی تناظر میں ہم جب تاریخی حوالوں سے کوئی بھی بحث اردو کے تشکیلی دور کے متعلق سنتے یا پڑھتے ہیں تو اس زبان میں غیر مسلموں نے جو کام کیا ہے وہ بڑی تعداد میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ مثلاً اردو کی ابتدا کے متعلق ہندوستان پہ محمود غزنوی کے حملے یا محمد غوری اور غلامان خاندان کے سلاطین کی آمد کے اثر کو مورخین اس طرح بیان نہیں کرتے جس طرح گیارویں صدی میں ناتھ پنتھیوں کی عوامی زبان میں بیان کیے گئے اقوال کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ناتھ پنتھیوں کے مورتی پوجن اختلاف اور ویدک تعلیمات کے ماخذات سے اردو زبان کے جملوں اور الفاظ کی سند پیش کی جاتی ہے اور اس زبان کے تشکیلی دور کے نمونوں کو مرتب کیا جاتا ہے۔ جمیل جالبی، حامد حسن قادری، رام بابو سکینہ، گیان چند جین اور گوپی چند نارنگ جیسے کئی ادیبوں نے اپنی کتابوں میں اس امر کا تذکرہ کیا ہے۔ جس طرح ہندوستان میں صوفیا کرام کی کتب جن میں اقوال بابا فرید گنج شکر، فوائد الفوائد، ملفوظات چراغ دہلوی، ملفوظات حمید الدین ناگوری اور معراج العاشقین کو اولین ماخذ کے طور پہ پیش کیا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان کے قدیم ہندو قواعد نویسوں کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے جن میں گیارویں صدی کا ہیم چند سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ ہیم چند گجرات کا رہنے والا ایک مشہور قواعد نویس تھا جس کا تذکرہ اردو ماخذات میں سب سے پہلے جمیل جالبی نے

اپنی تاریخ ادب اردو کی جلد اول میں کیا۔ ہند آریائی زبان کی تاریخ میں اس نے بڑے کارنامے انجام دیے جس گھرانے سے اردو زبان تعلق رکھتی ہے۔ دہلی اور میرٹھ کے نواح میں پائے جانے والے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں کا تذکرہ بھی تاریخ ادب اردو میں کیا گیا ہے جنھوں نے عوامی زندگی میں زبان کو قدر بہتر بنانے میں اپنی خدمات انجام دیں۔ کبیر اور نانک کا ذکر تو اردو کی تاریخوں میں بحیثیت ادیب اور شاعر کیا ہی جاتا ہے، مگر انہیں کے عہد میں پائے جانے والے قواعد نویسوں کا تذکرہ بھی بہت فراخ دلی سے ہوتا ہے۔ اس امر کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو میں ابتدائی عہد سے اب تک بے شمار ہندو قواعد نویس اور ماہر لسانیات گزرے ہیں اور اردو کی تاریخوں میں ان کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ ہم اگر انیسویں اور بیسویں صدی کے منظر نامے کا جائزہ لیں تو اردو کے بڑے زبان دانوں اور قواعد نویس و ماہر لسانیات میں جہاں ایک طرف مولوی عبدالحق، شوکت سبز واری، سید سلیمان ندوی، مسعود حسین خاں، حافظ محمود خاں شیرانی، عبدالستار صدیقی اور رشید حسن خاں وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہیں دوسری طرف منشی سورج مل، مالک رام، پیارے لال، لالہ تیغ رام، منشی دنی چند، درگا پرشاد، رگھو ناتھ سہائے، لالہ سانول رام، گوپال سنگھ گیانی، راجہ شیو پرکاش، شیو پرشاد، لچھمن پرشاد، منشی کنہیا لال، پروفیسر رام سروپ کوشل، سکھن سنگھ، منشی مول چند، سنگت رائے، پنڈت نورتن داس، ہیرا لال، گیان چند جین اور گوپی چند نارنگ کی کتب کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ زبان کے تشکیلی مراحل ہوں یا اس کے ارتقا کی تاریخ ہر جگہ غیر مسلم قواعد نویسوں اور زبان دانوں کا ذکر بھر پور انداز میں کیا گیا ہے اور ان نامور ماہر لسانیات کے احسان سے اس زبان کے جاننے والے منکر نہیں ہو سکتے جنھوں نے قواعد زبان اور لسانیات جیسے اہم مسئلے کو زیر بحث لاتے

ہوئے اردو کو اہم کتابیں دیں۔ ان ماہرین میں نمایاں ترین نام سنیتی کمار چیٹر جی، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی، ڈاکٹر رام آسرا راز، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، کالا سنگھ بیدی اور سدھیشور ورما کا ہے۔ یہ وہ نام ہیں جنہوں نے اس زبان کے لسانی نظام کو متشکل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصے میں ہم انہیں ادیبوں کی علمی کاوشوں کا تذکرہ کریں گے تاکہ اردو ماہر لسانیات اور قواعد نویسوں کی خدمات کا اعادہ ہو سکے۔ ایک بات کی مزید وضاحت یہاں ضروری ہے کہ اردو میں قواعد نویسی کی ابتدا تو بہت پہلے شروع ہو گئی تھی، مگر اسے منظم کرنے کا کام انیسویں صدی میں ہوا اور لسانیات جو کہ ایک جدید علم ہے اس کی ابتدا بھی انیسویں صدی میں ہوئی جس موضوع پہ کام کرنے والوں میں اردو کے حوالے سے سنیتی کمار چیٹر جی کا نام اولین ماہر لسانیات میں شامل ہوتا ہے۔

سنیتی کمار چیٹر جی

سنیتی کمار چیٹر جی ان ماہر لسانیات میں سے ہیں جن کے حوالے کے بغیر اردو لسانیات پر گفتگو کرنا ناممکن ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی اور سنیتی کمار چیٹر جی ان لسانی محقق میں سے ہیں جنہوں نے اردو زبان کے تشکیلی عناصر کو واضح کیا۔ سنیتی کمار چیٹر جی کا کام ان کی مشہور کتاب ”ہند آریائی اور ہندی“ کے نام سے سامنے آیا۔ چیٹر جی کی کتاب ”ہند آریائی اور ہندی“ آٹھ خطبات پر مشتمل، لسانیات سے متعلق ان موقف سے آگاہی بخشتی ہے جن میں کھڑی بولی کو اردو اور ہندی کی بنیاد کہا

جاتا ہے نیز مشترک معاشرے میں اسے ہندوستانی کے نام سے جانا گیا ہے۔ ابتدائی چار خطبات میں ہند یورپی، ہند آریائی، ہند آریائی کا غیر ہند آریائی پس منظر اور ہند آریائی کی ابتدائی تاریخ، نیز ہندوستان اور عظیم تر ہندستان میں سنسکرت وسطی ہند آریائی کا ارتقاء، لسانی سطح پر آریائی اصوات حروف اور فرہنگ کا ارتقاء، کا بیان ہے۔ دیگر چار خطبوں میں نئ مشترک ہند آریائی زبان ہندی کے ارتقاء اس کی نشونما اور مسائل وحل کے متعلق مدلل مفصل بیان ہیں۔ ہندستان میں آریاؤں کی آمد، تہذیبی معاشرتی وتمدنی مخلوطیت نے زبان کا کینڈا تبدیل کیا، یہ تبدیلی نئ مشترک ہند آریائی زبان کا چولا پہنتی ہے تو سنیتی کمار چیٹر جی کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نئ زبان ہندستان کے اس نظام کا حصہ تھی جس میں لسانیاتی سطح پر زبرست تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص گروہ یا قوم کی مرہون منت نہیں تھی سنتی کمار چیٹر جی اس موقف کو بھی رد کرتے ہیں جس میں کہا گیا کہ ہندستانی زبان مسلمان حملہ آوروں کی پیدا کردہ ہے۔ لسانیاتی تبدیلی ونشونما کے ساتھ اپنی کتاب میں موجودہ عہد کی ہندی کو انہوں نے تین شکلوں میں تقسیم کیا ہے ۔سنسکرتی ہندی، اردو یا عربی فارسی ہندی، بازاری ہندی اور بازاری ہندستانی۔ سنیتی کمار کی یہ کتاب تحقیق وتاریخ کے میدان میں محققین کے لئے حوالہ جاتی حیثیت رکھتی ہے۔

برج موہن دتا تریہ کیفی

قواعد نویس اور ماہر لسانیات برج موہن دتا تریہ کی کتاب ''کیفیہ'' قواعد املا انشاء اور نظریات کے تعلق سے نہایت گراں قدر کتاب ہے۔ قواعد ولسانیات کے موضوع پر

ادب میں چند کتب ہی ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ کیفیہ میں اٹھارہ باب ہیں۔ پہلے باب میں اردو زبان کا تاریخی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں تہجی پھر لفظ ہے بالترتیب اسم، تذکیر و تانیث، حرف، مصدر، فعل، روزمرہ، محاورہ، کلام، چند نکات، اسلوب، عروض، مطائبات، خط و کتابت، املا اور نئے لفظ وغیرہ کے عنوان سے باب باندھے گئے ہیں۔ تاریخ کے باب میں برج موہن نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو نے سنسکرت زبان کے تَت سَم کا خاتمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اردو زبان کی تشکیل سے پہلے ہی سنسکرت بول چال کی سطح پر ختم ہو چکی تھی۔ سنسکرت کے جو لفظ اردو میں در آئے وہ بہت پہلے اپ بھرنش اور پراکرت کے ہاتھوں بگڑ کر پہونچے ہیں، اسی طرح عربی لفظ بھی فارسی کے توسط سے آئے ہیں۔ اردو سے براہ راست ان دونوں زبانوں کا تعلق نہیں۔ تحقیق سے وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہی پراکرت میں فارسی الفاظ کا وجود ثابت ہے البتہ کھڑی بولی کی توسیع مسلمان حملہ آوروں کے ذریعہ ہوئی۔ تاریخ کے علاوہ اردو زبان کے استعمال خاص و عام کے باوجود بہت سے ایسے مسائل تھے جن میں اہل علم و ارباب کا اتفاق نہیں تھا یا ان الفاظ کے استعمال کی اپنی وضاحت تھی، غلط املا کی وضاحت کے ساتھ جملوں کے حشو و زائد کو بھی مثالوں کے ذریعہ انہوں نے اپنی کتاب میں روشن کیا ہے۔ حروف تہجی کا تعین، حروف کا بدل اور صوتیاتی تبدل پر پرمعنی مکالمہ قائم کیا ہے۔ جملے کی بنت میں حرف جار کے غیر ضروری استعمال سے گریز کی تلقین کی ہے۔ اردو املا میں تا حال کچھ خامیاں ہیں گو کہ ایسی صورت میں جب زبان ادبی حیثیت سے مسلم ہو رہی تھی اصول و ضوابط کا تعین از حد ضروری تھا ایسے میں برج موہن دتاتریہ کیفی نے مولوی عبدالحق کے شانہ بہ شانہ ادبی زبان کی تصحیح و تشکیل

میں خود کو صرف کر دیا۔ ''کیفیہ'' کے علاوہ برج موہن دتا تریہ کیفی نے ''خمسہ کیفی'' ''ناگزیر قیل وقال''، میں بھی ادبی اصول وضوابط قلم بند کئے ہیں۔

گیان چند جین

لسانی ادیب اور محقق کی حیثیت سے گیان چند جین سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اپنی ادبی تحقیقات کے علاوہ لسانی موضوع پر گیان چند جین نے گراں مایہ تصنیفات پیش کی ہیں، لسانی مطالعے، عام لسانیات، ایک بھاشا دو لکھاوٹ دو ادب، لسانیات سے متعلق اہم کتب ہیں ۔لسانی مطالعے پانچ خانوں میں تقسیم کی گئی ہے ۔عام لسانیات، صوتیات، فن تحریر، زبان اور بولی نیز تبصرہ۔ اس کتاب کی سب سے اہم بحث صوتیات کے حوالے سے ہے۔ گیان چند جین سے قبل کسی نے اس نکتے پر موشگافی نہیں کی تھی۔ مصنف نے لسانیات کو دیگر علوم وفنون سے متعلق بتایا ہے نیز ان نظریات کو نشان زد کرنے کی کوشش کی ،جس سے لفظ وجود میں آئے۔ اردو مصوتے کے ذیل میں پیش کردہ مباحث کو مصنف نے سائنٹفک انداز میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ گیان چند جین نے اردو میں سولہ مصوتوں کی نشاندہی کی ہے۔ مصوتے رسم الخط کے تعین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔جدید لسانی مسائل میں مصوتے سے روگردانی مشکل ہے۔ کتاب میں جدید لسانیات کے ضمن میں صوتیات، اردو مصوتے ،اردو کی غنائی آوازیں کو اہم جز گردانا گیا ہے۔

رام آسر اراز

رام آسراراز کی کتاب ''اردو ہندی کا لسانیاتی رشتہ'' ایسی کتاب ہے جس میں اردو ہندی آغاز و ارتقاء، اردو ہندی لسانی اشتراک، اردو ہندی لسانی اختلاف موضوع بحث لائے گئے ہیں۔ ایسے ماحول میں جب ہندی اور اردو کو سیاسی مفاد کی بنا پر قربان کیا جارہا ہو ایسی صورت میں اصل حقائق کو برسر پیکار لانا ادیب کے لئے ناگزیر ہوجاتا ہے۔ رام آسراراز کا موقف بھی یہی ہے کہ اردو اور ہندی ایک ہی سرچشمے سے جاری ہونے والی زبانیں ہیں۔ نیز مسلمانوں کی آمد سے ایک ملواں زبان کی داغ بیل پڑی اس ملواں زبان میں کن عوامل نے کیا کردار ادا کئے نیز ہندی زبان سے کیا مراد ہے اور موجودہ عہد کی ہندی کیا ہے ان نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لسانی تشکیل معاشرتی وتمدنی اختلاط کا آئینہ دار ہوتی ہے، لیکن یہی معاشرت اور سیاسی رجحان زبان میں کتنی اتھل پتھل برپا کر سکتے ہیں اس امر کی وضاحت کتاب میں بخوبی نظر آتی ہے۔ تقسیم ہند کے قبل کے سیاسی حالات، زبان کی تقسیم اردو ہندی کی قبولیت ،رسم الخط کا اختلاف جیسے موضوعات پر مصنف نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اردو ہندی کے صرف ونحو، مصمتے ،مصوتے، املا، تذکیر وتانیث کے فرق کی نوعیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہاوتوں ،محاوروں نیز تلمیحات میں اردو ہندی کا ملاپ خوش کن اضافہ ہے۔ زبان کا کینڈا مختلف زبانوں کے ملاپ سے ہی بدلتا نکھرتا اور نشونما پاتا ہے گرچہ ہندی اردو روپ کے اعتبار سے دو الگ زبانیں ہوں لیکن خاندانی اعتبار سے یہ ایک ہی بولی سے تعلق رکھتے ہیں۔ رام آسراراز نے کتاب میں نظریاتی بحث سے ہٹ کر ان دلائل کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے جو اردو اور ہندی

زبان کے اشتراک پہ دال ہیں اس سلسلے میں وہ زمینی حقائق کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے کہ کس طرح اردو وہندی میں اصلاح زبان کے مسئلے نے دونوں زبانوں کے مابین کشیدگی پیدا کردی۔ یہ کشیدگی قومی زبان کے انتخاب کی صورت میں سامنے آئی نیز اردو کو اسلامی زبان سے تعبیر کیا گیا۔ گرچہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اردو و ہندی میں اختلاف سے زیادہ لسانی اشتراک پایا جاتا ہے۔ رام آسرا راز کا یہ قول اردو و ہندی کے مابین رشتے کونہایت باریکی سے واضح کردیتا ہے کہ ''اردو کی اردوئیت اگر چہ انہیں الفاظ پر قائم ہے جو عربی و فارسی اور ترکی کے سرچشمے سے آئے ہیں تاہم پراکرتی الفاظ اس زبان کی ریڑھ ہیں۔''

گوپی چند نارنگ

گوپی چند نارنگ اردو کے نہایت فعال اور متحرک ادیب ہیں، جنہوں نے لسانیات کے موضوع پہ خاصہ کام کیا ہے۔ انہوں نے اردو زبان میں اسلوبیات اور ساختیات کے موضوع پہ سب سے پہلے قلم اٹھایا اور ایک تھیس کی شکل میں ان موضوعات پہ کام کیا۔ لسانیات، اسلوبیات اور ساختیات کے سے پہلے نارنگ صاحب کا موضوع رہا ہے۔ اس ضمن میں ان کی اہم کتابوں میں اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو (1961)، کرخنداری ڈائلیکٹ آف دہلی (1961)، املا نامہ (1974)، لغت نویسی کے مسائل (1985) اورادبی تنقید اور اسلوبیات (1989) کا شمار ہوتا ہے۔ ان تمام کتابوں کے علاوہ انہوں نے اردو زبان اور لسانیات جیسی کتاب بھی لکھی جس میں ان کے 25 برس کے لسانیات کے موضوع پہ لکھے ہوئے 25 مضامین شامل ہیں۔ اس کتاب

سے ان کی لسانی مہارت اور جملہ امور لسانیات پہ گہری نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں اردو زبان کے ابتدائی نقوش کی بحث سے اس کے محاوروں، کہاوتوں، افعال مرکبہ اور ہند لسانی رشتوں وغیرہ تک کے موضوعات پہ گفتگو کی ہے۔ اردو کی ہندوستانی بنیادوں کو ظاہر کرنے کے علاوہ اس کے رسم الخط پہ بھی دو مضامین لکھے ہیں جس میں رسم الخط کا تاریخی پس منظر اور اس کا تہذیبی اور لسانی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ نارنگ صاحب کی اس کتاب کی قدر اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ تین مختلف حصوں پہ مشتمل ہے۔ جس میں پہلے میں لسانیات کے راست موضوعات پہ بحث شامل ہے، دوسرے میں ماہرین لسانیات پہ مضامین ہیں جن میں دتاتریہ کیفی، احتشام حسین، فرمان فتح پوری پہ مضامین ہیں اور تیسرے حصے میں متون اور حروف پہ مضامین کے ساتھ ساتھ تین لسانی کانفرنس کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ نارنگ صاحب کی کتاب 2006 میں رام پور رضا لائبریری سے شائع ہوئی۔ جس کے بعد لسانیات پہ ان کی کوئی اور کتاب سامنے نہیں آئی۔ یہ کتاب نئی لسانی تھیوری کو قائم کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

بنگالی، اردو زبان کے مشہور ادیب شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے بنگال اور اردو کے رشتوں پہ مختلف انداز میں کتابیں لکھیں ہیں۔ انہیں میں ایک کتاب ''بنگال کی زبانوں سے اردو کا رشتہ: ایک لسانی مطالعہ'' ہے۔ لسانیات کے موضوع پہ یہ ان کی واحد کتاب ہے، لیکن اس موضوع پہ ان کے علاوہ کسی اور نے بنگالی اور اردو کے رشتوں پہ اس نوعیت کی مربوط کتاب نہیں لکھی۔ شانتی رنجن مشہور ماہر لسانیات سنیتی کمار چیٹر جی کے عزیز

شاگرد تھے۔ لہٰذا لسانیات سے ان کا رشتہ اسی حوالے سے قائم ہوا۔ انھوں نے اپنی کتاب میں لسانیات اور اردو زبان، بولی اور زبان، بنگلہ زبان اور اس کی بولیاں، اردو پر بولیوں کا اثر، غیر ملکی زبانیں اور بنگلہ اردو، آسٹرک خاندان کی بولیاں اور اردو، چٹالی، چاٹگامی اور چکما، کلکتے کی زبان اور ڈھاکہ اور مشرقی بنگال کے دیگر علاقوں کی اردو کے عناوین کے تحت گفتگو کی ہے۔ اس عناوین سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب کس قدر اہم ہے۔ انھوں نے کتاب میں مختلف زبانوں کی 57 کتب کے حوالے دیے ہیں۔

ڈاکٹر سدھیشور ورما

ماہر لسانیات ڈاکٹر سدھیشور ورما کی سب سے اہم کتاب ''آریائی زبانیں'' ہے۔ جس میں انھوں نے آریائی زبانوں کے ارتقا اور ہند آریائی اور ایرانی زبانوں اور ان کی خصوصیتوں کی وضاحت کی ہے۔ یہ کتاب 1942 میں شائع ہوئی تھی جس وقت اردو میں لسانیات کے موضوع پہ چند ہی کتابیں لکھی گئیں تھیں۔ آریائی زبانوں پہ اس عہد میں کام ہونا شروع ہی ہوا تھا۔ جب اپنی تمام تر تحقیق و جستجو کے بعد سدھیشور ورما نے اس بات کی توضیح کی تھی کہ ہند آریائی اور ایرانی زبان میں ہمامی مشابہت کیا ہے؟ قدیم ہند آریائی کے تشکیلی مراحل اور اس کے ماخذات ایرانی اور ہند آریائی کے لسانی اختلافات سے بحث کرتے ہوئے بتایا کہ کن بنیادوں پہ ہندوستان کی زبانوں میں جدید بولیوں نے جنم لیا اور یہاں کی مقامی زبانوں کا کینڈا کیوں کر تیار ہوا؟ ایرانی زبان کے ضمن میں انھوں نے پہلی مرتبہ ان امور کی وضاحت اپنی کتاب میں کی کہ اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس کا ارتقا کیوں کر ہوا؟ قدیم فارسی سے اوستا کا مقابلہ کیسے ممکن ہے؟ عہد وسطیٰ کی فارسی اور

پہلوی کے کیا مباحث ہیں؟ وسطیٰ عہد کی فارسی بولیاں کون کون سی تھیں؟ عہد حاضر کی ایرانی، ان بولیوں سے کتنی مختلف ہے اور عہد حاضر کی ایرانی زبانوں کی گروہ بندی کس طرح ہوئی ہے؟ انہوں نے اپنی کتاب میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے یہاں کی مقامی بولیوں پہ کیا اثرات مرتب ہوئے، اس کے متعلق بھی بتایا ہے۔

کالا سنگھ بیدی

''تین ہندوستانی زبانیں'' کالا سنگھ بیدی کی لسانیات کے موضوع پہ نہایت اہم کتاب ہے۔ جس میں پنجابی، ہندی اور اردو کے لسانی ماخذات پہ گفتگو کی گئی ہے۔ تینوں زبانوں کے تاریخی رشتوں اور ان کی بدلتی صورتوں کو موضوع بحث لایا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں چار ابواب کے تحت مختلف تحریریں لکھی ہیں جن میں پنجابی زبان، اردو زبان، ہندی زبان اور تینوں زبانوں کا باہم لسانیاتی رشتہ شامل ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں زبان کی ابتدا اور ارتقا اور اس کے طبعی اور وضعی اثرات پہ گفتگو کی ہے۔ بعد ازاں زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کو تاریخی تناظر میں بیان کیا ہے۔ پنجابی کا دور قدیم، قرون وسطیٰ اور دور حاضر، اس کی شاخیں اور بولیاں، دریائے چناب، کوہستان اور گھنگر ندی کے لسانی امتیازات اور پنجابی کی وجہ تسمیہ بتائی گئی ہے۔ اردو کی پیدائش، اس کا ارتقا، اس کے نام کی وجہ تسمیہ اور اس کی شاخوں کے متعلق بتایا گیا ہے۔ ہندی کی ابتدا، اس کا عہد وسطیٰ، اس کے بنیادی عناصر، اس کی مشرقی اور مغربی بولیاں اور اس کی شاخوں پہ سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کے آخری باب میں زبانوں کو جانچنے کے اصول بتائے گئے ہیں اور تلفظ، بناوٹ، صوتیات اور معنویت پہ فرداً فرداً بحث شامل ہے۔ اختتام پہ فارسی، عربی،

ترکی، سنسکرت، انگریزی اور مقامی زبانوں کے مشترک الفاظ کی فہرست دی گئی ہے جو نہایت اہم ہیں۔

اردو کے قدیم تذکروں اور
ادبی تاریخوں میں غیر مسلم شعرا وادبا

زبان کی تشکیل کا عمل قواعد نویسوں کا ہے، لیکن کسی زبان کی ابتدا اور اس کا ارتقا شاعروں کے ذریعے ہی عمل میں آتا ہے۔ اردو زبان کی تاریخ میں شمالی ہند سے جنوب تک اور سندھ سے گجرات تک شاعروں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، تاریخ اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں عہد سلاطین سے لے کر مغلیہ دور تک مختلف زبانوں کے شاعروں کا تذکرہ اردو کی تاریخوں میں موجود ہے جنہوں نے بہت دھیرے دھیرے اس زبان میں طبع آزمائی شروع کی اور اس میں کمال ہنر دکھائے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں تغلق بادشاہ کے زمانے سے باقاعدہ شعرا کا تذکرہ ہمیں ہوتا ہوا نظر آجاتا ہے۔ مسعود سعد سلمان اور ان کے ہم عصر دو ایک شعرا کے ہندی کلام کا تذکرہ اب عام طور پہ اردو ادب کی تاریخوں میں مل جاتا ہے۔ لیکن اس امر میں ہماری تاریخی اور تحقیقی کتب خاصی خاموش نظر آتی ہیں کہ کس طرح اس زبان کی ابتدا اور ارتقا میں ہندو شعرا نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حالاں کہ یہ سلسلہ اتنا پرانا نہیں کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں ہندو شعرا کا تذکرہ بڑے پیمانے پر کیا گیا ہے، لیکن جدید عہد میں لکھی ہوئی تاریخوں میں اس کا دو یا تین فی صد ہی نظر آتا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں کبیر اور تلسی داس کی

زبان کا تذکرہ کثرت سے کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اردو کے تشکیلی دور میں اور بھی شاعر ہیں جن کا ذکر فارسی کے قدیم تذکروں میں موجود ہے۔ یہ قابل ذکر ہے کہ ''لباب الالباب'' جو کہ عوفی کا مشہور تذکرہ ہے اس میں فارسی شعرا کے بعض ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن سے ہندوی رہندی رہندوستانی یا اردوئے معلیٰ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ امیر خسرو کی مشہور زمانہ کتاب ''غرۃ الکمال'' میں بھی ایسے اشعار کی مثالیں موجود ہیں۔ امیر خسرو سے ہی منسوب ہے کہ مسعود سعد سلمان جو کہ فارسی کا مشہور شاعر تھا اس کا ایک ہندی دیوان بھی موجود تھا۔ جس کو اب تک دریافت نہیں کیا گیا، مگر انہیں حقائق کے درمیان ہمیں ہندو شعرا کی ان کتابوں کا تذکرہ تاریخ کے گمشدہ گوشوں میں تلاش کرنا پڑتا ہے جہاں ہندی (اصلاً اردو) زبان کے ہندو شعرا کا تذکرہ موجود ہو۔ آزاد بلگرامی سے لے کر خان آرزو تک ہندوستانی شاعروں کی تاریخ کا بیشتر حصہ پردہ خفا میں ہی نظر آتا ہے۔ مغلیہ عہد کی بعض تاریخی کتابوں میں خواہ وہ دکن کی ہوں یا شمال کی چند ایک عظیم المرتبت ہندو شعرا کا تذکرہ ملتا ہے جو ادب کی کتابوں میں باقاعدگی سے نہیں ملتا، لیکن فارسی کے قدیم تذکروں میں سے بعض میں ان کا تذکرہ ہے۔ جہاں تک اردو زبان کی تاریخ کا معاملہ ہے تو ایسے ہندو شعرا جو نابغہ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے ان کا ذکر میر تقی میر کے مشہور اور اردو کے اولین تذکرے ''نکات الشعرا'' سے ہی ملنا شروع ہو جاتا ہے اور سترہویں صدی سے بیسویں صدی تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں سب میں ہندو شعرا کا ذکر موجود ہے۔ اردو کا جدید ترین تذکرہ جس کے بعد اردو زبان میں تذکرہ نگاری کی جگہ تاریخ نویسی نے لینا شروع کر دی، خم خانہ جاوید میں اتنی بڑی تعداد میں ہندو شعرا کا ذکر موجود ہے کہ اسے ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک باقاعدہ کتاب مرتب ہو جائے گی۔ اس تذکرے کے

علاوہ اسی عہد کے ایک تذکرے تذکرہ اعجاز سخن میں بھی ہندو شاعروں کا ذکر موجود ہے۔ میں یہاں چند ایک اردو کے مشہور اور تاریخی تذکروں سے ہندو شعرا کے ناموں کی فہرست پیش کر رہا ہوں تا کہ اس بات کا اعادہ ہو سکے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ہندو شعرا نے کتنے بڑے پیمانے پہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ بعد ازاں ان کے کلام سے چند نمونے پیش کر کے ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

شمار	شاعر	نام کتاب	صفحہ نمبر
1	رام آنند رام	شعرائے اردو	86
2	رائے آنند رام	نکات الشعرا	29
3	راجہ نند رام	مخزن نکات	35
4	رسوا	نکات الشعرا	109
5	لالہ ٹیک چند بہار	نکات الشعرا	121
6	بندوابن	نکات الشعرا	130
7	بدھ سنگھ قلندر	مخزن نکات	54
8	کاشی ناتھ	مخزن نکات	70
9	جیون مل کھتری عشاق	مخزن نکات	71
10	عاقل رائے سنگھ	مخزن نکات	73
11	رائے سکھ رام	شعرائے اردو	68
12	رائے پریم ناتھ آرام	مخزن نکات	78

13	جوشونت رائے شاداں	مسرت افزاء	136
14	لالہ خوشونت رائے شاداب	مسرت افزاء	79
15	سنتو کھ رائے بیتاب	شعرائے اردو	31
16	سنتو کھراب بے تاب	مخزن نکات	83
17	سنتو کھ رائے	نکات الشعرا	332
18	لالہ جے کشن بے جان	چمنستان الشعرا	25
19	لالہ نہال کرن داغ	چمنستان الشعرا	40
20	رسوا	چمنستان الشعرا	41
21	آفتاب رائے رسوا	طبقات الشعرا	42
22	لالہ چندر نگین	طبقات الشعرا	42
23	صاحب	طبقات الشعرا	54
24	شیو سنگھ ظہور	چمنستان الشعرا	56
25	سیتا رام عمدہ	چمنستان الشعرا	56
26	عشاق	چمنستان الشعرا	57
27	رام نارائن موزوں	چمنستان الشعرا	72
28	لالہ موہن لعل	چمنستان الشعرا	78
29	موہن لعل منعم	مجموعہ نغز	226

30	پریم ناتھ آرام	طبقات الشعرا	25
31	نول رائے فنا	طبقات الشعرا	269
32	گردھاری لعل طرز	طبقات الشعرا	317
33	گردھاری لال طرار	گلشن سخن	170
34	بہاری مل	طبقات الشعرا	337
35	فتح چند ممنون	طبقات الشعرا	530
36	گوہری	طبقات الشعرا	570
37	گوپال ناتھ	طبقات الشعرا	573
38	سنجے سنگھ	طبقات الشعرا	578
39	لالہ ولاس رائے رنگین	طبقات الشعرا	591
40	لالہ بلاس رائے مہاراجہ	طبقات الشعرا	591
41	ہرچرن داس	طبقات الشعرا	595
42	کمانی مل کھتری	طبقات الشعرا	602
43	راجہ بہادر سنگھ	طبقات الشعرا	608
45	ہمت سنگھ	طبقات الشعرا	611
46	منشی گج سنگھ	طبقات الشعرا	612
47	ریسناتھ سنگھ	تذکرہ شعرائے اردو	340

48	لالہ بال مکند حضور	مجموعہ نغز	212
49	حضور	تذکرہ شعرائے اردو	43
50	لالہ بال مکند حضور	تذکرہ ہندی	83
51	گھاسی رام شاہجہان آبادی خوشدل	تذکرہ شعرائے اردو	47
52	رائے سرپ سنگھ دیوانہ	مجموعہ نغز	258
53	رائے سرپ سنگھ دیوانہ	مجموعہ نغز	50
54	رائے سرپ سنگھ دیوانہ	تذکرہ گلشن ہند	102
55	بکھاری داس عزیز	تذکرہ شعرائے اردو	68
56	مکند سنگھ فارغ	گلشن بے خار	145
57	فارغ	تذکرہ شعرائے اردو	76
58	بدھ سنگھ قلندر	تذکرہ شعرائے اردو	78
59	عجائب رام منشی	تذکرہ شعرائے اردو	91
60	سیوک رائے بے تاب	تذکرہ مسرت افزا	59
61	سیوک رام بے تاب	مجموعہ نغز	378
62	بنگالی لعل خوش دل	تذکرہ مسرت افزا	97
63	منشی آسارام ذوق	تذکرہ مسرت افزا	106
64	ٹھاکرداس ضمیر	تذکرہ مسرت افزا	146

65	راجہ کلیان سنگھ عاشق	تذکرہ مسرت افزا	164
66	نرنجن	تذکرہ مسرت افزا	249
67	بکھاری لعل	گلشن سخن	69
68	راجہ جسونت سنگھ پروانہ	گلشن سخن	70
69	رائے پردے رام جودت مرشد آبادی	گلشن سخن	97
70	حیف موتی لعل	گلشن سخن	116
71	راجہ خیالی رام خیالی	گلشن سخن	117
72	صاحب رائے فریاد	گلشن سخن	191
73	کشن چند مجروح	گلشن سخن	226
74	رام جبس مغموم	گلشن سخن	230
75	لالہ بخت مل منتظر	گلشن سخن	224
76	سواسکھ نثار	گلشن سخن	244
77	لالہ ٹیکا رام	تذکرہ ہندی	55
78	لالہ کانجی مل وفا	تذکرہ ہندی	141
79	مکھن لعل کاستھ آرام	مجموعہ نغز	28
80	رام سکھ آزاد	مجموعہ نغز	29
81	راجہ رام پنڈت بہادر	مجموعہ نغز	114

82	لالہ خزائن داس بیخود	مجموعہ نغز	126
83	شیوسنگھ کھتری بے جان	مجموعہ نغز	136
84	ٹیکا رام تسلی	مجموعہ نغز	140
85	بخت مل	مجموعہ نغز	147
86	بختا مل پنڈت تمکین	یادگار شعرا	540
87	راجہ رام ذرہ	مجموعہ نغز	259
88	لالہ چنی داس جہان آبادی	مجموعہ نغز	259
89	لالہ خوب چند ذکا	مجموعہ نغز	259
90	پونت لعل کانت شاہجہاں آبادی رنگین	مجموعہ نغز	278
91	لالہ دیوالی سنگھ سخنور	مجموعہ نغز	291
92	لالہ تلوک چند کھتری سرشار	مجموعہ نغز	293
93	مرزا راجہ شنکر ناتھ صبا	مجموعہ نغز	361
94	بھولا ناتھ پنڈت عاشق	مجموعہ نغز	380
95	خیالی رام عیاش	مجموعہ نغز	23
96	کنور گوپال ناتھ غلام	مجموعہ نغز	28
97	لالہ مکند سنگھ کھتری فارغ	مجموعہ نغز	32
98	لچھی رام پنڈت فدا	خوش معرکہ زیبا	37

99	لچھی رام فدا	خوش معرکہ زیبا	26
100	لالہ ملوک چند تیج	مجموعہ نغز	153
101	لالہ کنور سنگھ مظ طر	مجموعہ نغز	195
102	درگا پرشاد مضطرب	مجموعہ نغز	196
103	لالہ مول چند منشی	مجموعہ نغز	222
104	چھتر سنگھ موزوں	مجموعہ نغز	227
105	راجہ نہلاس رائے مہاراج	مجموعہ نغز	229
106	لالہ مٹھی لعل نامی	مجموعہ نغز	263
107	لالہ گنگا سنگھ نادر	مجموعہ نغز	265
108	راجہ کیدار ناتھ نسیم	مجموعہ نغز	270
109	لالہ ایسری سنگھ نشاط	مجموعہ نغز	271
110	امیر سنگھ نشاط	گلشن بے خار	230
111	لالہ گوند رائے نصرت	مجموعہ نغز	275
112	گنپت رائے نظیر	مجموعہ نغز	284
113	ہر چند کشور ہر چند	مجموعہ نغز	350
114	یک رنگ	مجموعہ نغز	368
115	مہا سنگھ کھتری آشنا	مجموعہ نغز	372

116	رائے کیرت سنگھ کھتری اسد	مجموعہ نغز	375
117	سنجے ببر	مجموعہ نغز	377
118	لالہ بھگوان دت برق	مجموعہ نغز	377
119	امانت رائے امانت	گلشن بے خار	280
120	راجہ ونے بہادر	گلشن بے خار	34
121	شیو سنگھ بے جان	گلشن بے خار	35
122	مہتاب رائے تاب	گلشن بے خار	39
123	ٹیکارام تیلی	گلشن بے خار	41
124	کنورسین جام	گلشن بے خار	45
125	ذوقی رام حسرت	گلشن بے خار	57
126	پنڈت اجودھیا پرشاد حیرت	گلشن بے خار	63
127	پورن لعل رنگین	گلشن بے خار	89
128	گنگا پرشاد رند	گلشن بے خار	89
129	لالہ گنگا داس رند	خوش معرکہ زیبا	231
130	ادا کشن شکر	گلشن بے خار	111
131	بدہ سنگھ شگفتہ	گلشن بے خار	111
132	بدھ سنگھ شگفتہ	خوش معرکہ زیبا	139

133	بھوگے لعل شوق	گلشن بے خار	112
134	کانجی مل صبا	گلشن بے خار	125
135	گنگا داس ضمیر	گلشن بے خار	127
136	جنو لعل طرب	گلشن بے خار	128
137	زور آور سنگھ عاجز	گلشن بے خار	136
138	مہاراج سنگھ عزیز	گلشن بے خار	134
139	راجہ گوپال ناتھ غلام	گلشن بے خار	144
140	پریم کشور فراقی	گلشن بے خار	150
141	پنڈت کرپا کشن فیض	گلشن بے خار	152
142	پنڈت ٹھاکر داس کشمیری کالم	گلشن بے خار	161
143	بی بہا لعل مومن	گلشن بے خار	195
144	منشی مہر چند مہر	گلشن بے خار	209
145	لچھمی نارائن شفیق	نتائج الافکار	36
146	رائے سنگھ غافل	بہار بے خزاں	75
147	مل رام	طبقات شعرائے ہند	12
148	راجہ جوالا پرشاد تسکین	خوش معرکہ زیبا	244
149	کانجیو مل ضیاء	خوش معرکہ زیبا	290

150	لالہ میڈولال شرف	خوش معرکہ زیبا	307
151	لالہ چنی لال حریف	خوش معرکہ زیبا	325
152	لالہ بینی پرشاد ظریف	خوش معرکہ زیبا	326
153	امبا پرشاد	خوش معرکہ زیبا	339
154	بھیروں داس تمنا	خوش معرکہ زیبا	347
155	لالہ گروداس شجر	خوش معرکہ زیبا	354
156	لالہ موجی رام موجی	خوش معرکہ زیبا	373
157	لالہ ویاکشن ریحان	خوش معرکہ زیبا	376
158	لالہ لالتا پرشاد مجروح	خوش معرکہ زیبا	377
159	لالہ رام دیال شباب	خوش معرکہ زیبا	378
160	لالہ لکشمن پرشاد رفیق	خوش معرکہ زیبا	378
161	لالہ جیالال گلشن	خوش معرکہ زیبا	327
162	لالہ شادی لال اسیر	خوش معرکہ زیبا	433
163	لالہ مہابلی انور	خوش معرکہ زیبا	434
164	جگل کشور ظہور	خوش معرکہ زیبا	454
165	لالہ سیوالال شائق	خوش معرکہ زیبا	434
166	پنڈت دیاشنکر نسیم	خوش معرکہ زیبا	436

167	لالہ رام دیال سخن	خوش معرکہ زیبا	558
168	روشن لال دانا	خوش معرکہ زیبا	479
169	گوری شنکر برپا	خوش معرکہ زیبا	479
170	لالہ فتح چند شائق	خوش معرکہ زیبا	517
171	پنڈت سنگم لال واحد	خوش معرکہ زیبا	538
172	بہاری لال عادل	خوش معرکہ زیبا	541
173	پنڈت سندر لال فہیم	خوش معرکہ زیبا	566
174	لالہ کنہیا لال تاثیر	خوش معرکہ زیبا	566
175	رتن ناتھ پنڈت دریا	خوش معرکہ زیبا	573
176	لالہ کنہیا لال غافل	خوش معرکہ زیبا	578
177	پنڈت شیو پرشاد محبت	خوش معرکہ زیبا	591
178	جوہر سنگھ جوہر	خوش معرکہ زیبا	603
179	رائے امر سنگھ شائق	خوش معرکہ زیبا	682
180	پنڈت امر ناتھ شولا	خوش معرکہ زیبا	682
181	منشی کھیم چند مجروح	خوش معرکہ زیبا	356
182	لالہ رام سنگھ آزاد	گلستان بےخزاں	8
183	لالہ منگل سنگھ الفت	گلستان بےخزاں	17

184	شمبھوناتھ بے جان	گلستان بے خزاں	390
185	لالہ آنند سروپ بسیت	گلستان بے خزاں	49
186	لالہ جھیم ناتھ	گلستان بے خزاں	61
187	رائے جادون رائے خلق	گلستان بے خزاں	80
188	رائے بالا پرشاد ربط	گلستان بے خزاں	101
189	لالہ بھوگی لال شوق	گلستان بے خزاں	126
190	لالہ منولال صفا	گلستان بے خزاں	143
191	لالہ بدھ سین صافی	گلستان بے خزاں	143
192	لالہ بندولال طالع	گلستان بے خزاں	151
193	بخشی بھولا ناتھ عاشق	گلستان بے خزاں	157
194	لالہ سندرلال عجز	گلستان بے خزاں	167
195	پنڈت دیا ندان فدا	گلستان بے خزاں	188
196	رائے مکندرائے کوکب	گلستان بے خزاں	201
197	رتن لال مست	گلستان بے خزاں	245
198	لالہ گردھاری لال سرور	گلستان بے خزاں	245
199	رائے تلجا پرشاد نشاط	گلستان بے خزاں	277
200	لالہ ٹیک چندا خگر	یادگار شعرا	22

201	اسنان	یادگارشعرا	23
202	منشی ساون لال بیدار	یادگارشعرا	43
203	شیوسہائے حقیر	یادگارشعرا	76
204	رائے جادون رائے خلق	یادگارشعرا	82
205	لالہ گوبندلال خوش دل	یادگارشعرا	83
206	برج ناتھ خیال	یادگارشعرا	83
207	کنور بہادر سنگھ دل خوش	یادگارشعرا	89
208	لالہ جنتی داس ذرہ	یادگارشعرا	91
209	جے سکھ رائے ذہین	یادگارشعرا	93
210	لالہ گنگا پرشاد کشمیری رعد	یادگارشعرا	99
211	گنگا پرشاد کشمیری رند	یادگارشعرا	101
212	سوپن زاری	یادگارشعرا	103
213	میر سہائے سر برہمن زندہ دل	یادگارشعرا	104
214	جے سنگھ رائے کائستھ زیرک	یادگارشعرا	104
215	پرشادی رام شاد	یادگارشعرا	114
216	لالہ متھراداس شاعر	یادگارشعرا	115
217	بھولا ناتھ عشرت	یادگارشعرا	141

218	بختاور سنگھ غافل	یادگار شعرا	147
219	لالہ سندر لال غافل	یادگار شعرا	147
220	لالہ موہن لال غالب	یادگار شعرا	148
221	لالہ کانجی مل کائستھ فریب	یادگار شعرا	148
222	کنور گوپال ناتھ غلام	یادگار شعرا	149
223	سمن لال کائستھ فدوی	یادگار شعرا	154
224	لالہ صاحب رائے لکھنوی	یادگار شعرا	157
225	بدھ سنگھ قلندر	یادگار شعرا	163
226	کاشی ناتھ لالہ	یادگار شعرا	165
227	راجہ بھوانی سنگھ بہادر گریاں	یادگار شعرا	169
228	کنچن	یادگار شعرا	170
229	رائے خوش حال سنگم مجبور	یادگار شعرا	174
230	لالہ رتن لال حیدرآبادی مست	یادگار شعرا	184
231	شنکر مسرت	یادگار شعرا	184
232	لالہ تخت مل عظیم آبادی مسکین	یادگار شعرا	185
233	بالا رام دہلوی مشتاق	یادگار شعرا	186
234	موتی لال مفتون	یادگار شعرا	192

235	لالہ متھن لال کائستھ دہلوی نامی	یادگار شعرا	204
236	لالہ لکھپت رائے کھتری نحیف	یادگار شعرا	206
237	پنڈت سندل بسمل	تذکرہ سراپا سخن	51
238	چندہ پرشاد جنون	تذکرہ سراپا سخن	65
239	پنڈت دینا ناتھ جوہر	تذکرہ سراپا سخن	66
240	پنڈت رتن ناتھ دریا	تذکرہ سراپا سخن	80
241	رام چرن گرداب	تذکرہ سراپا سخن	164
242	پنڈت کشمیری باس کرن عرف ناتھو جی مروت	تذکرہ سراپا سخن	173
243	جانکی پرشاد مریخ	تذکرہ سراپا سخن	173
244	گلاب سنگھ دہلوی آشفتہ	طور کلیم	8
245	چودھری جگت موہن لعل رواں	بہار سخن	147
246	مہاراجہ کرشن پرشاد شاد	بہار سخن	171
247	مہاراجہ چندو لعل شاداں	بہار سخن	186
248	کبیر داس	بہار سخن	241
249	تلسی داس	بہار سخن	242
250	والد	یادگار شعرا	214

مندرجہ بالا فہرست اردو کے مشہور ترین تذکروں پہ مبنی ہے، جن میں سے 250 شعرا کے اسمائے گرامی یہاں درج کیے گئے ہیں۔ آب حیات جو کہ محمد حسین آزاد کا مشہور زمانہ تذکرہ ہے۔ اس کے بعد سے شیر علی خاں کے تذکرہ اعجاز سخن تک بے شمار ہندو شعرا کا ذکر قدیم تذکروں اور اردو زبان و ادب کی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ دیا شنکر نسیمؔ اور چکبستؔ کا ذکر عام طور پہ اردو کی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ میں نسیم پہ باقاعدہ ایک طویل باب پیش کیا گیا ہے اور چکبستؔ کا تذکرہ سلیم اختر کی تاریخ ادب اردو میں تفصیل سے ملتا ہے۔ مندرجہ بالا فہرست میں جن شعرا کے اسمائے گرامی گنائے گئے ہیں ان کے کلام کی تاثیر اور معیار کا اندازہ بھی ان نمونوں سے ہو جاتا ہے جو تذکروں میں ان شعرا کے ذکر کے ساتھ نمونہ کلام کے طور پہ دیئے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر شاعر کسی نہ کسی عظیم شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی خان آرزو کا شاگرد ہے، کوئی میر تقی میرؔ کا، کوئی خواجہ میر دردؔ کا اور کوئی مصحفیؔ، سوداؔ، اثرؔ، مومنؔ، شیفتہؔ اور غالبؔ کا۔ غالبؔ کے مشہور شاگرد منشی ہر گوپال تفتہؔ کا ذکر بھی اردو کی تاریخوں میں اکثر ملتا ہے وہ بھی اس شعر کے حوالے سے جو انھوں نے غالبؔ کے انتقال پہ کہا تھا:

فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق
چھ لفظ اس کے مرنے پہ بے دست و پا ہوئے

ان چند بنیادی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے ارتقا میں ان غیر مسلم شعرا نے کتنا اہم رول ادا کیا ہے۔ قدیم تذکروں میں بھی ان شعرا کے محاسن

بیان کرتے وقت تذکرہ نگاروں نے اپنے عہد کے انداز کے تنقیدی جملے اس شعرا کے متعلق کہے ہیں۔ میر تقی میرؔ، میر قدرت اللہ قاسم، لطف، نواب مصطفی خاں شیفتہؔ اور مصحفیؔ کے تذکروں میں موجود تنقیدی آرا سے ان ہندو شعرا کی شعر گوئی کے متعلق جو رائے قائم ہوتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر خود اساتذہ فن کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے کوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ہندو شعرا ایسے تھے جن کے سیکڑوں شاگرد تھے۔ مثلاً پنڈت دیا شنکر نسیمؔ، پنڈت رتن ناتھ درؔیا، لالہ صاحبؔ رائے لکھنوی، برج ناتھ خیالؔ، لالہ گنگا پرشاد رندؔ اور لالہ رتنؔ ناتھ حیدر آبادی وغیرہ کے بہت سے شاگرد ایسے تھے جنھوں نے کئی کئی دیوان شاعری کے خلق کیے۔ ان کے کلام کی ندرت اور تازگی کا اندازہ بھی اس بات سے ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ہندوستانی ثقافت کے نمونے بہت بہتر انداز میں تخلیق ہوئے ہیں۔ اردو شاعری کی تاریخ کو ہند اسلامی روایت کی مروجہ لفظیات سے آگے بڑھانے کا کام جس طور اردو کے بڑے شعرا مثلاً خان آرزوؔ، جعفرؔ زٹلی، میر تقی میرؔ، سوداؔ، عزلتؔ اور قائمؔ چاند پوری وغیر نے کیا، انہیں کے دوش بہ دوش راجہ بھومی سنگھ بہادر گرؔیا، بختاور سنگھ غافلؔ، لالہ ٹیک چند اخگرؔ، منشی کھیم چند مجروحؔ اور پنڈت دینا ناتھ جوہرؔ وغیرہ نے بھی کیا ہے۔ ان شعرا کے کلام کے نمونوں سے اس کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں زبان و بیان کی قدرت اور تخلیقی جواہر کس قدر موجود ہیں:

دھوم آونے کی کس کے گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

مندرجہ بالا شعر رائے آنند رام مخلصؔ کا ہے جن کا ذکر میر تقی میرؔ اپنے تذکرے نکات الشعرا میں کیا ہے، بقول میرؔ:

> رائے آنند رام نام، مخلص تخلص ہے اور ان کا تعلق شاہجہاں آباد سے ہے، یہ نواب وزیر اعتماد الدولہ کے وکیل بھی تھے، انہوں نے فارسی میں اچھی خاصی شاعری کی (الخ)۔ جوانی میں بیدل کی خدمت میں مشق سخن کیا کرتے تھے۔(1)

اس قول سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ سترہویں صدی میں ہندو شعرا کی ایسی بڑی تعداد موجود تھی جو فارسی میں شعر کہہ رہی تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ شاعری کس درجے کی معیاری ہوگی جس کی اصلاح بیدلؔ جیسا شاعر کرتا ہو۔ بیدلؔ اور آرزوؔ کے شاگردوں نے فارسی کی راہ سے ہندوی شاعری کی طرف اپنا ذہن راغب کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام جس عہد میں اجتماعی حالت میں ہو رہا تھا وہاں زبان کی تشکیل کا عمل کتنی تیزی سے آگے بڑھا ہوگا۔ آنند رام مخلصؔ کا یہ شعر جو اردو ادب کی کسی موجودہ تاریخ کی کتاب میں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے اس عہد کی زبان کا اندازہ بحسن وخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ شاعر نے لفظ ''آونے'' کا استعمال کیا ہے جو کہ آنے کے معنی میں ہے۔ یہ کھڑی بولی سے ہندوی کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مخلص کے عہد میں ہندوستانی کا رواج کس قدر عام ہو چکا تھا اور اس زبان کی شاعری میں کتنے اہم مضامین باندھے جانے لگے تھے۔ شاعر نے جس طرح ''ارگجے کا پیالہ'' استعمال کیا ہے اس کی مثال ان سے قبل اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ ولیؔ دکنی کا ایک مشہور شعر ہے:

ہے گی تمہاری لو یہ ہمارے دماغ میں
اس ارگجی عبیر کے جو یا ہوئے اتال

اسی طرح قلی قطب شاہ نے اس لفظ کا کس طرح کیا ہے، دیکھیے:

پرم پھول بن میں سگند
باس میکا برم آپنے
بات ارگج کلایا

قلی قطب شاہ اور ولی کے زمانے میں تقریباً سو برس کا فرق ہے۔ سو برس میں زبان کی تبدیلی سے ارگج کے استعمال میں جتنا حسن پیدا ہوا ہے اس کو دونوں شعروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل ولی میں اور مخلص میں پچاس برس کا بھی فرق نہیں ہے اس کے باوجود مخلص نے ارگجے کا استعمال جتنے معنی خیز استعارے کے طور پہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی کے مقابلے میں مخلص کی زبان کس قدر واضح اور صاف ہے۔ اس کے علاوہ بھی ولی کا شعر مخلص کے شعر کے بالمقابل معنیاتی اعتبار سے بھی کم درجے کا ہے۔ ایسے اشعار شمالی ہند کے ہندو شعرا کے یہاں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ جن کا موازنہ دکن کی اس عہد کی ہندوی شاعری سے کیا جائے تو اس میں بہت سے لسانی اور فنی بعد نظر آتا ہے۔ مخلص کے شعر میں ''گلزار میں پڑی'' ذرا مبہم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پڑی کے معنی یہاں ''اٹھنے'' کے ہیں جس سے مراد ''شور اٹھنے'' سے ہے۔ یہ لہجہ ہمیں مخلص کے بہت بعد تک مومن خاں مومن اور نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ جو مخلص سے تقریباً سو برس بعد کے شاعر ہیں۔

میر تقی میرؔ نے انہیں کی طرح ایک اور شاعر کا ذکر بہت محبت سے کیا ہے جو انہیں کے معاصر اور ان کے رفیق مرزا رفیع سوداؔ کے شاگرد تھے۔ ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بندرابن نام، راقم تخلص، ان کا تعلق شاہجہاں آباد سے ہے، مرزا رفیع (سوداؔ) سے شاعری کی اصلاح لیتے تھے۔(2)

اور نمونہ کلام کے طور پہ ان کا یہ شعر بھی دیا ہے جو خاصہ مختلف اور ناسخؔ کے طرز کلام سے بہت نزدیک معلوم ہوتا ہے۔ شعر ہے:

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں
موج دریا ہے شکنج آستیں

کس عمدگی سے امیجری بنائی ہے کہ موج دریا کو شکنج آستیں سے تشبیہ دی ہے۔ میر انیسؔ کا ایک شعر اسی نوع کا ہے کہ:

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں میں ضعف پیری نے
چنا ہے جامہ اصلی کی آستینوں کو

یا گریازاری کا تصور جو ناسخؔ نے ایک شعر میں باندھا ہے کہ:

تین ترویني دو آبہ ہو گیا
اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

ان اساتذہ کے اشعار کے ساتھ راقم کا شعر رکھ کے پڑھا جائے تو وہ کسی طور کمزور

معلوم نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنے شعر میں نہ صرف یہ کہ زبان کی فنی باریکیوں کا مظاہرہ کیا ہے ساتھ ہی اس میں شاعرانہ رنگ بھی بھر دیا ہے۔ وہ ابر تر اور چشم گریاں کی مثال پیش کرتے ہیں جو کہ ایک روایتی خیال ہے مگر اس میں آستین اور موج کی تشبیہ استعمال کر کے اسے روایت سے مزید نکلتا ہوا بنا دیتے ہیں۔ راقم نے شعر کا انتخاب میر تقی میرؔ نے کیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی شاعری میں اس شعر کو گل سر سبد کی حیثیت حاصل ہو گی۔

انہیں کے عہد کے ایک اور ہندو شاعر راجہ جوالا پرشاد تسکینؔ ہیں۔ جن کے کلام میں راقم جیسی ہی معنی آفرینی پائی جاتی ہے۔ جوالا پرشاد تسکین مرزا قتیلؔ کے شاگرد تھے اور دربار سے ان کا تعلق تھا۔ سعادت خاں ناصرؔ مولف تذکرہ خوش معرکہ زیبا نے ان کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

راجہ جوالا پرشاد نام ہے، تسکین تخلص۔ خاص الخاص سلاطین مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد (مشہور)۔ شاگرد مرزا قتیل۔ (3)

مرزا قتیل کو حالاں کہ ان کے عہد میں اور بعد تک استاد شاعر تصور نہیں کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے ان کے کلام پہ تنقید کی۔ غالبؔ بھی انہیں ''کھتری بچہ'' (زبان سے ناواقف) کہا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے کلام میں جو فنی محاسن پائے جاتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں وہ صاحب تصنیف بزرگ تھے دریائے لطافت انشا اللہ خاں انشا کے ساتھ مل کے مرتب کی تھی۔ یہ ان کی مقبولیت ہی کہ دلیل ہے کہ راجہ جوالا پرشاد جو کہ مدبر الدولہ کے لقب سے ملقب تھے، ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ جوالا کا کلام نہایت سلیس اور مثالی ہے۔ ان کے چند اشعار تو خاصے

مشہور ہوئے۔ ان کا ایک شعر ہے:

مجھ کو میرے ہی دل راز نے سونے نہ دیا
رات بلبل کو غم خار نے سونے نہ دیا

یہ آتشؔ کی مشہور زمانہ غزل کی زمین میں ہے، جس کا مطلع ہے:

یار کو میں نے مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالع بیدار نے سونے نہ دیا

یقیناً جولا پرشاد تسکینؔ کا شعر آتش کے معیار کو نہیں پہنچتا ہے، مگر اس عہد میں دیگر جتنے اکابرین نے اس زمین میں غزل کہی ہے۔ جوالا پرشاد تسکینؔ کی غزل ان سے بہت معیاری ہے۔ مثال کے طور پہ اس شعر میں ہی انہوں نے غم خار کی شاعرانہ توجیہ بیان کرتے ہوئے جو فنی مہارت دکھائی ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قدر قادرالکلام شاعر تھے۔ میر تقی میرؔ اور خواجہ میر دردؔ کے اشعار سے مضمون کو الٹ کے باندھنا بھی ایک کمال ہے۔ میرؔ صاحب کا مشہور شعر ہے کہ:

شب ہجر میں کم تظلم کیا
کہ ہمسائیگاں پر ترحم کیا

اسی مضمون میں خواجہ میر دردؔ کہتے ہیں کہ:

رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کے رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا

ان دونوں اشعار میں ہمسائے کی پریشانی اور اپنی گریہ زاری کا بیان ہے، یہ تصور

روایتی ہے جسے میر سے پہلے کے شعرا نے بھی فارسی میں شعر میں باندھا ہے۔مگر تسکین نے اپنے شعر میں ایک نیا پہلو تلاش کر کے شعر کو روایت سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کے شعر کا حسن بڑھ گیا ہے اور اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی سخن وری کا طرز قدما سے کتنا الگ تھا۔

اردو شاعری کی تاریخ میں مصحفیؔ اور آتشؔ کے ہندو شاگردوں نے بڑے کمال دکھائے ہیں۔ان دونوں شعرا کے ساتھ ایک خاص بات یہ تھی کہ یہ اپنے شاگردوں کا کلام دیگر اساتذہ کے بالمقابل زیادہ توجہ سے جانچا کرتے تھے۔ یہ رواج مصحفیؔ کے عہد سے ہی چلا آتا ہے کہ شاگردوں کے تین رجسٹر تیار ہوتے تھے جن میں یک بعد دیگرے ایسے شاگردوں کے نام درج کیے جاتے تھے جن کی درجہ بند ہوتی تھی۔ بعد کو یہ رواج داغؔ کے عہد تک رائج رہا۔اس سلسلے میں مصحفی، آتش اور ناسخ نے بڑا کام کیا۔ یہ بات کم حیران کرنے والی نہیں کہ مصحفیؔ کے اول درجے کے شاگردوں میں ہندو شعرا کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور آتشؔ کے بھی بے شمار ہندو شاگردان کی ترجیح پہ تھے۔ مصحفیؔ کے شاگردوں میں شعر گوئی کا ملکہ بہت جلد پیدا ہو جاتا تھا اور وہ نئے مضامین کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ان کے ایک مشہور شاگرد کانجومل ضیاؔ کی شاعری بھی ایسے ہی اوصاف سے متصف ہے۔ صاحب تذکرہ خوش معرکہ زیبا کانجومل ضیا کے متعلق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

> طبیعت کارسا، کانجومل، تخلص ضیاؔ، ساکن فیروز آباد، شاگرد مصحفیؔ۔ یہ شعر اس سے یادگار۔

عبث ہے پاس میرے یہ تمہارا بار بار آنا
جدائی میں مجھے مشکل ہے اے یار وقرار آنا(4)

اب انہیں کے بالمقابل اسی عہد کے ایک اور شاعر کا شعر دیکھیے جو کہ مصحفیؔ کے شاگردوں میں شامل نہیں تھے اور نواب اودھ تھے۔ ان کا تذکرہ بھی سعادت خاں ناصرؔ نے ہی اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیریں مقال لالہ میڈ لال تخلص شرف، منشی (حضرت) ولی عہد بہادر میر نواب مونس کا ہم طرف۔ یہ اس سے یادگار ہے۔

بہار آئی چمن میں ہاتھ پھر دوڑا گریباں پر
چراغ دل نے دیکھو لو لگائی داغ پنہاں پر(5)

اب شرفؔ اور ضیاؔ دونوں کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔ بظاہر شرفؔ کا شعر زیادہ معنی خیز معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک روایتی خیال کو حسن وخوبی سے برتا ہے اور داغ پنہاں کے ظاہر ہونے کی شاعرانہ توجیہ بیان کی ہے اور چاک گریبانی کا خیال بہار چمن سے مشتق کر دیا ہے۔ اس میں دو رائے نہیں کہ لفظ 'لَو' کا استعمال شرف کے یہاں نئے پن کا غماز ہے۔ انہوں نے لو لگائی کو معنیاتی وسعت کے ساتھ استعمال کیا ہے، پھر شعر میں چراغ دل کی ترکیب بھی استعاراتی صورت میں نمایاں ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ شرفؔ کا شعر معنی و مفہوم اور فن اور زبان ہر لحاظ سے بہتر ہے، مگر ضیاؔ کے شعر میں جو سب سے بڑی خوبی ہے وہ سہل ممتنع کی ہے۔ ضیاؔ کا شعر سامنے کی لفظیات سے معیاری حسن خیال کے ساتھ خلق ہوا ہے۔ آج سے دو سو برس پہلے اس نوع کا شعر کہنا جس میں فارسی تراکیب کا

بوجھل پن نہ ہواور شاعرانہ حسن بھی مجروح نہ ہو یہ ایک مشکل ترین عمل تھا۔ وہ تضاد معنی کو اپنے شعر میں روا رکھتے ہیں جس سے شعر میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ محبوب کی جدائی اور جدائی میں کرم و التفات کی جھلک یہ دونوں متضاد معنی ایک جگہ جمع کر دینا وہ بھی ایسے انداز میں جس سے شعر کو پڑھنے والا کسی الجھن کا شکار نہ ہو، استاذی کے مترادف ہے۔ شاعر اپنی بے قراری یا قرار کی عدم موجودگی کو محبوب کی وفا کے بجائے اپنے اضطراب پہ محمول کر رہا ہے جس میں شکوے کے بجائے ایک نوع کی جھلاہٹ ہے۔ اس سے کلاسکی شاعری کے اس پہلو کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں صرف محبوب سے شکوہ و شکایت ہی روا نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اپنی ذات کا محاسبہ کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔ ضیاؔ کا شعر شرف کے مقابلے میں تراکیب کی بندش سے آزاد تو ہے ہی ساتھ ہی اس میں اردو شاعری کی نئی روایت کو پروان چڑھانے کا خاصہ بھی موجود ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو مصحفی جیسا فن شعر کا ماہر کیوں کر عزیز رکھتا ہوگا۔ اسی طرح خواجہ حیدر علی آتشؔ کے شاگردوں میں لالہ رام دیال سخنؔ کا معاملہ تھا کہ وہ بھی سہل ممتنع میں نہایت غیر معمولی اشعار کہتے تھے۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں ان کے بارے میں یہ معلومات ملتی ہے کہ:

> حریص ہنر و فن، لالہ رام دیال نام، تخلص سخن۔ انہوں نے اردو اور فارسی میں شاعری کی اور ان کا پیشہ گھڑی سازی کا تھا۔ فارسی میں ملا علی اکبر شیرازی کے شاگرد تھے اور اردو میں خواجہ حیدر علی آتشؔ کے۔(6)

ان کا ایک اردو شعر بھی اس تذکرے میں دیا گیا ہے جس کو پڑھ کے اندازہ ہوتا ہے

کہ ان کا کلام کتنا سہل اور معنی خیز لفظیات سے مزین ہے۔ شعر دیکھیے کہ:

ملتے ہو غیروں سے اب میرا بلانا کیسا
پھیر لی آنکھ تو پھر آنکھ ملانا کیسا

غیر مسلم اردو شعرا کے یہاں ایک امر قدر مشترک کے طور پہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ان کے کلام میں اساتذہ فن کا تتبع بہت زیادہ نہیں ملتا۔ مثلاً آتشؔ کے دو مشہور شاگرد رندؔ اور نسیمؔ ان دونوں کا کلام دیکھا جائے اور ان کے بالمقابل سخن کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سخن نے اپنی ایک الگ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے جبکہ رند اور نسیم نے استاد کے نقش قدم پہ چلنے کو ترجیح دی ہے۔ میں نے یہاں دلیل کے طور پہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے چند ہندو شعرا کے کلام کے نمونے پیش کر رہا ہوں جس سے تجزیے سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس عہد کے غیر مسلم شعرا نے کس طرح ایک نئی طرز نکالی تھی اور اپنے اساتذہ سے فنی باریکیوں کے معاملے میں فیض حاصل کرنے کے باوجود اپنے کلام کو کس طرح جداگانہ انداز میں تخلیق کیا تھا:

غافل نہیں اعتبار پل کا
کیوں فکر عبث کرے ہے کل کا

(سنتو کھ رائے بیتاب)

رکھتا ہوں میر صاحب و قبلہ سے میں سند
یہ جانتا نہیں کہ زباں ہے کہاں کی اور

(لال بال کمند حضور)

جو چاہے سلطنت اسے ظل ہما ملے
مجھ کو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ ملے

(لالہ ٹیک رام تسلی)

بزم میں رات بہت سادہ وہ پر فن تھی ولے
گرمی بزم کہاں اس بت عیار بغیر

(رائے سرب سنگھ دیوانہ)

ترے کوچے میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرہ
بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو ادا کرنا

(راجہ رام ذرہ)

اس صبح سے وہ دلبر چلے خوبوں میں اکڑ کے
جوں ماہ ستاروں میں چلے رات کو اڑ کے

(تلوک چند کھتری سرشار)

وصف میں صورت شانہ جو الجھتا ہے دل
خود بنا دیتی ہیں مضمون کا پہلو زلفیں

(چندہ پرشاد جنون)

قتل کرو قاتل بے پیر اپنے ہاتھ سے
غیر کو دیتا ہے کیوں شمشیر اپنے ہاتھ سے

(پنڈت دینا ناتھ جوہر)

تری یاد کمر سے یوں عدم میں مل گیا بے جاں
کہ قالب میں نہ پاوے گر کوئی اس کا کفن کھولے

(لالہ جے کشن بے جان)

پہلے ان شعرا کا مختصر تعارف دیکھیے ان کے بعد ان کے کلام کا جائزہ لیں گے۔

سنتو کھ رائے بے تاب تخلص۔ ان کو گوشہ نشینی بہت پسند تھی اور یہ رہنے والے شاہجہاں آباد کے تھے۔ ریختی میں ان کا ایک مختصر دیوان بھی ہے۔(7)

لالہ بال کمند نام، تخلص حضور، یہ مشاعروں کے لیے بہت مشہور تھے اور خواجہ میر دردؔ کی صحبت ان کو میسر تھی۔(8)

لالہ ٹیکہ رام نام تخلص تسلی لکھنؤ میں ان کی پرورش ہوئی اور یہیں پر انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔(9)

رائے سرب سنگھ نام تخلص دیوانہ۔ فارسی زبان میں ان کے دو دیوان ہیں۔(10)

راجہ رام نام ذرہ تخلص۔(11)

لالہ تلوک چند کھتری نام تخلص سرشار ان کا تعلق شاہجہاں آباد سے تھا۔(12)

چندہ پرشاد نام تخلص جنون لکھنو کے رہنے والے تھے نواب عاشور علی خان بہادر ان کے استاد تھے۔(13)

پنڈت دینا ناتھ نام تخلص جوہر ان کا تعلق لکھنو سے تھا اور یہ آغا حسن امانت کے شاگرد تھے۔(14)

لالہ جے کشن نام تخلص بے جان یہ اپنی فکر رسا سے معنی آفرینی کرتے تھے زبان شیریں تھی اور انداز میں خوش گفتاری تھی۔(15)

اوپر پیش کیے گئے تمام اشعار میں شاعری کے تمام اوصاف موجود ہیں وہ بھی اس امر کے ساتھ کہ انہیں ہم کلاسکی شاعری کا بہترین نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ کسی شعر میں اگر تلمیح ہے تو کسی میں استعارہ کسی میں تشبیہ کی خوبی ہے تو کسی میں کنایہ کوئی معنوی اعتبار سے بلند ہے تو کوئی صورتی اعتبار سے شور انگیز۔ ان تمام اشعار میں فنی باریکیاں اور زبان و بیان کی خوبیاں بڑی حد تک یکساں ہیں۔ اس کے باوجود اردو کی کسی بھی موجودہ تاریخ میں ان میں ایک شعر بھی نقل نہیں کیا گیا ہے۔ ان اشعار کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو چند باتیں اور واضح انداز میں سامنے آجائیں گی کہ اردو کی کلاسکی شاعری میں ولیؔ سے غالبؔ تک جس طرح لہجے بدلتے رہے ہیں اور زبان آہستہ آہستہ اپنا کینڈا بدلتی رہی ہے اس کی تمام پرچھائیاں مندرجہ بالا اشعار میں مل جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اشعار کا زمانہ تخلیق سترہویں صدی کے نصف اول سے اٹھارہویں صدی کے نصف آخر تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ ایہام اور رد ایہام یہ دو رجحانات جو اس عہد کے غالبؔ رجحانات تھے ان دونوں میں سے کسی ایک بھی واضح جھلک ان اشعار میں نظر نہیں آتی اس کے برعکس تغزل اور تصوف کا رنگ کہیں کہیں نمایاں طور پہ دکھائی دیتا ہے۔ لال بال کمند حضور کا شعر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خواجہ میر دردؔ جن کا اکثر کلام ان دونوں اوصاف سے مزین ہے جس میں تغزل اور تصوف کا رنگ شامل ہے ان کی شاگردی پہ اس

عہد کے شعرا کتنا فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ غافل کے شعر میں بیسویں صدی کی تازگی نظر آتی ہے اور اس عہد کی شاعری کے خیالات کا پرتو بھی جس میں محبوب سے دلی وابستگی کا اظہار اسی طرز میں کیا جاتا تھا جیسا کہ امیرؔ مینائی اور داغؔ دہلوی کے یہاں نظر آتا ہے۔ تسلی اور دیوانہ کے اشعار میں شوخی کلام اور کنایے کی خوبیاں مصحفیؔ کے کلام کی مانند ہیں۔ ان دونوں کے اشعار ایک اور خاص طرز کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ زبان کا اختلاف اس عہد میں کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ ایک شاعر اپنے شعر میں ایک لفظ کا استعمال جس مضمون کی وضاحت کے لیے کرتا ہے دوسرا اس سے گریز کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے ہندو شعرا میں شعر گوئی اور لسانی توسیع کو کس قدر سنجیدگی سے برتا جاتا تھا۔ چند شاعر اس انتخاب میں ایسے ہیں جو لکھنو، دلی اور اس کے درمیان سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً بے تابؔ، حضورؔ اور سرشارؔ دلی کے شاعر تھے ان کے برعکس تسلی، جنون اور جوہر لکھنو کے تھے۔ ان چھ شاعروں کی زبان میں محاورے کا اختلاف واضح طور پہ دیکھا جا سکتا ہے۔ دلی کے شاعروں کے یہاں اشارے کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے بلکہ سہل ممتنع اور فارسی تراکیب کے استعمال پہ زور نظر آتا ہے، جبکہ لکھنو کے شعرا کے یہاں کنایہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کے اشعار میں زبان پر تکلف انداز اور کج معنیاتی عنصر کے ساتھ مستعمل نظر آتی ہے۔ دلی اور لکھنو کے علاوہ دیگر علاقوں کے شاعروں کے یہاں جن میں ذرہ، بے جان اور دیوانہ شامل ہیں زبان کو اتنی خوبی سے نہیں برتا گیا ہے جس نوع کا استعمال لکھنو اور دلی کے شعرا کے یہاں نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود مندرجہ بالا اشعار کو اردو غزل کی تاریخ کے بہترین اشعار کہا جا سکتا ہے، حالاں کہ اردو کی تاریخ میں انہیں اب تک شامل نہیں کیا گیا ہے اس کے باوجود۔

اردو شاعری کو ہندو شعرا نے جس طرح اپنی مشق سخن سے عروج بخشا، اس کی سیکڑوں مثالیں قدیم تذکروں میں موجود ہیں، یہاں نمونے کے طور پہ چند اشعار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب اور اردو زبان کا رشتہ چار سو برس پرانا ہے اور یہ بات کسی طور تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ اردو کو مسلمانوں کی زبان کہا جائے، کیوں کہ اس زبان کو بنانے اور سنوارنے میں ہندو مسلم دونوں قوموں نے یکساں طور پہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ ایک امر میں کہ ہندوستان میں ہمیشہ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ رہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر عہد میں مسلمانوں سے زیادہ ہی ہندو شعرا رہے ہیں جن کی سعی مسلسل کا حاصل اردو زبان ہے۔ لہذا ان کی کاوشوں کو فراموش کر کے یہ کہنا کہ اردو کو فروغ صرف مسلمانوں کی علمی و ادبی کاوشوں سے ملا ہے کسی طور درست گردانا نہیں جا سکتا۔ شمار ہو یا جنوب، مدھ دیش ہو یا گجرات ہر جگہ غیر مسلم شعرا کے معرکہ آرا دیوان موجود ہیں۔

حواشی

1 ص:21،تذکرہ نکات الشعرا، میر تقی میر، مترجم: حمیدہ خاتون، مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی 1994

2 ص: 130، تذکرہ نکات الشعرا، میر تقی میر، مترجم: حمیدہ خاتون، مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی 1994

3 ص:244، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مولف: سعادت خان ناصر، مرتب: ڈاکٹر شمیم انہونوی، نسیم بک ڈپو، لکھنو۔ 1971

4 ص:290، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مولف: سعادت خان ناصر، مرتب: ڈاکٹر شمیم انہونوی، نسیم بک ڈپو، لکھنو۔ 1971

5 ص:307، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مولف: سعادت خان ناصر، مرتب: ڈاکٹر شمیم انہونوی، نسیم بک ڈپو، لکھنو۔ 1971

6 ص:458، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مولف: سعادت خان ناصر، مرتب: ڈاکٹر شمیم انہونوی، نسیم بک ڈپو، لکھنو۔ 1971

7 ص:337، تذکرہ طبقات الشعرا، قدرت اللہ شوق، مرتب: نثار احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

8 ص:83، تذکرہ ہندی، مولف: مصحفی، مرتب: مولوی عبدالحق، ناشر جامع برقی پریس دہلی 1935

9 ص:56، تذکرہ ہندی، مولف: مصحفی، مرتب: مولوی عبدالحق، ناشر جامع برقی

پریس دہلی 1935

10 ص: 103، تذکرہ گلشن ہند، مصنف: مرزا علی لطف، ناشر اسٹیم پریس لاہور 1906

11 ص: 259، مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم، مرتبہ: محمود شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لاہور 1933

12 ص: 294، مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم، مرتبہ: محمود شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لاہور 1933

13 ص: 65، تذکرہ سراپا سخن، مصنف سید محسن علی موسوی، مرتب: سید سلیمان حسین، ناشر نایاب بک ڈپو نادان محل روڈ لکھنؤ۔

14 ص: 66، تذکرہ سراپا سخن، مصنف سید محسن علی موسوی، مرتب: سید سلیمان حسین، ناشر نایاب بک ڈپو نادان محل روڈ لکھنؤ۔

15 ص: 25، تذکرہ چمنستان شعرا، مولف: لچھمی نارائن شفیق، مرتب: عطا کاکوی، ناشر: رئیس ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ 1968

اردو ادب کی دو صدیاں اور غیر مسلم شاعر و ادیب

انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو ادب نے جتنی تیزی سے ترقی کی اس کا اندازہ ہندوستانی زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہو جاتا ہے۔ اردو کو بیسویں صدی میں لینگوا فرنکا کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اس زبان کو بولنے اور اس میں لکھنے اور اسے سمجھنے والے پھیلے ہوئے تھے۔ ایسی زبان جو ایک پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہو اس کا ادب کیوں کر ترقی نہ کرے گا۔ لیکن اس ذیل میں اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ایسی زبان کسی ایک قوم یا طبقے سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ اس کے ارتقا میں مختلف قوموں، طبقوں اور سماجوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں مسلمانوں کے کردار سے ہم اچھی طرح واقف ہیں کہ انہوں نے بلا شبہ اس زبان میں طبع آزمائی کی اور بہت حد تک اس کے ادبی میلانات میں تنوع پیدا کیا، لیکن غیر مسلموں نے بھی اس زبان کو مسلمانوں کی طرح ہی عروج کی منزلوں سے ہمکنار کرنے کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ انیسویں صدی میں شاعری کی سطح پر اور بیسویں صدی میں فکشن اور دیگر اصناف ادب کے ذریعے غیر مسلم ادیبوں نے اردو ادب کو فروغ بخشا۔ بقول عشرت لکھنوی:

''کیا ہم لالہ ٹیک چند بہار، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ، پنڈت رتن ناتھ

سرشار، پنڈت بشن نارائن در، منشی طوطا رام شایاں، لالہ سری رام، منشی جوالا پرشاد، برج نارائن چکبست، منشی نوبت رائے نظر، منشی سرور جہان آبادی، بہادر سر کشن پرشاد، سر تیج بہادر سپرو، بہادر پنڈت شیو نارائن شمیم، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی، منوہر لال زتشی اور سردار بھگوان سنگھ وغیرہ کے احسانات سے سبکدوش ہو سکتے ہیں جنہوں نے نثر و نظم میں چار چاند لگا دیئے۔(1)

اس اقتباس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں انیسویں اور بیسویں دونوں صدیوں کے بڑے اردو شاعروں اور ادیبوں کا ذکر آ گیا ہے۔ یقیناً بہت سے نام اس کے علاوہ بھی ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ عشرت لکھنوی نے اپنے دیباچے میں مثال کے لیے چند نام بیان کیے تھے جو یہاں نقل کیے گئے ہیں۔ انیسویں صدی میں شاعروں نے بڑے پیمانے پہ کام کیا اور نثر کے میدان میں مدیروں نے اہم خدمات انجام دیں۔ جنہوں نے مشہور اخبارات اور رسائل نکالے۔ مثلاً دیا نارائن نگم نے زمانہ، کانپور سے نکالا، چنتا منی گھوش نے رسالہ ادیب، الہ آباد سے جاری کیا، منشی دیوان سنگھ مفتون نے ریاست، اخبار جاری کیا۔ رہنمائے تعلیم، لاہور سے ماسٹر جگت سنگھ نے نکالا، ڈاکٹر پورن سنگھ ہنر نے رسالہ چمن امرتسر سے، کنہیا لال نے رسالہ چاند، الہ آباد سے اور مسٹر نانک چند ناز نے لاہور سے پرتاب جاری کیا وغیرہ۔ ان مدیران نے نثر کے میدان میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ جو انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک جاری رہے۔ بیسویں صدی میں بھی بہت سے اخبارات و رسائل ہندو ادیبوں نے جاری کیے جو آج تک اسی طرح نکل رہے ہیں۔

انیسویں صدی کی جہاں تک بات ہے اس میں جدید شاعری نے عروج حاصل کیا۔خاص کر غالب کے بعد اردو شاعری میں نئی طرز کی بنیاد پڑی اور انجمن پنجاب کے مشاعروں سے صنف نظم میں نئے تجربے کیے جانے لگے۔غیر ملکی نظموں کے تراجم ہوئے اور حالی اور آزاد سے جو روایت شروع ہوئی اس نے بیسویں صدی تک بہت ترقی کی۔ بے شمار غیر مسلم شعرانے غالب کی طرز کو ارتقا بخشا اور نظم کے میدان میں بھی خوب ہاتھ دکھائے۔جگدیش مہتہ درد نے اپنی مشہور کتاب اردو ہندو شعرا جو دو جلدوں میں خاصی ضخیم کتاب ہے ایسے بے شمار شاعروں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہندو شعرا کی دوسری جلد کے مقدمے میں رام آسرا راز نے بہت اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کتاب کا آغاز کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> اردو شعرا نے اتحاد اور یکجہتی کی شمعیں ہمیشہ روشن کیں۔عوام کو احساس دلایا کہ ان کی نجات باہمی محبت، رواداری اور اتحاد میں مضمر ہے اور وہ سبحہ زنار، شیخ و برہمن کے جھگڑوں کو بھول کر ہی زندگی کی حقیقی مسرتوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔(2)

شاعروں اور ادیبوں کی خدمات کے ساتھ اردو کی ترویج اشاعت کے ضمن میں منشی نول کشور کا نام بھی سرفہرست آتا ہے جنہوں نے سترہویں صدی سے انیسویں صدی تک کا بہترین ادب اپنے مطبع سے شائع کیا ہے۔ان کے متعلق ناظر کاکوروی اپنی کتاب اردو کے ہندو ادیب میں لکھتے ہیں کہ:

> ہندوستانی مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے اور نہ اس گراں بہا احسان سے کبھی بھی عہدہ برا ہو سکتے ہیں کہ اسلامی درسیات اور اردو

ادبیات اور دیگر مذہبی علوم وفنون کی تبلیغ واشاعت میں منشی نولکشور سی، آئی، ای کی جو درخشاں خدمات مسلم ہیں وہ بحیثیت مجموعی کوئی مسلمان (انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے) سرانجام نہ دے سکا۔(3)

منشی نولکشور نے اپنے مطبع سے مذہبی اورادبی کتابیں شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے باعث ہندو اور مسلم مقدس کتابوں اور داستانوں، حکایتوں اور شعری مجموعوں کا ایک سیلاب سا آ گیا تھا۔کوئی بڑا ادیب اور شاعر ایسا نہ تھا جسے منشی جی نے نہایت احتیاط اور حسن معیار کے ساتھ شائع نہ کیا ہو۔اس عہد میں منشی جی کے علاوہ بھی کئی مطابع تھے جو اردو کی کتابیں شائع کر رہے تھے،مگر اپنے عہد کی ہر اہم کتاب مطبع نولکشور سے ہی شائع ہوتی تھی۔

اردو شاعری کی تاریخ میں انیسویں اور بیسویں صدی کے بہت سے ہندو شعرا بھی ایسے ہیں جن کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے۔مثلاً کچھ نام وہ بھی ہیں جو اوپر گنوائے گئے ہیں۔ ان کے برعکس بہت سے قابل ذکر نام ایسے ہیں جن کا تذکرہ اور ان کی شعر گوئی کے متعلق تلاش بسیار کے باوجود کوئی تنقیدی مباحثہ نہیں ملتا۔ایسے شعرا میں جوالا پرشاد آذر، امر ناتھ آشفتہ، سندر لال بسمل، جو ہر سنگھ جوہر، مادھو رام جوہر، موجی رام موجی، رام دیال سخن، شریمتی جانکی بی بی، شریمتی دھن راج ناز، سنگر دیال فرحت، شیو پرشاد دہبی، منشی دیبی پرشاد سحر اور ہر چند کشور ہر چند وغیرہ کے نام شامل ہیں۔انیسویں صدی کی شاعری کے ذیل میں ہم انہیں کا تجزیہ پیش کریں گے اس کے بعد انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے عروج کے ساتھ اردو فکشن نے ہندو افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کے ذریعے کتنا فروغ حاصل کیا اس کا جائزہ لیں گے۔

پہلے ان شعرا کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ایسے ہر جائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

(جوالا پرشاد آذر)

مرہم داغ جگر تیر کا پیکاں سمجھا
زیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا

(امرناتھ آشفتہ)

گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر
شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں
دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے
میں جو چٹکانے لگا اس سیم بر کی انگلیاں

(سندر لال بسمل)

منجم کوئی ایسی رات ہوگی
کہ آئے وہ مہ کامل ہمارا

(جوہر سنگھ جوہر)

نیند آنکھ میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے
کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

(مادھو رام جوہر)

مانی نہ ایک بات سحر تک شب وصال
میرا سر نیاز تھا اور سیم تن کے پاؤں

(موجی رام موجی)

خدا کے واسطے سن اے صنم گلا دل کا
کہ تیری آنکھوں نے لوٹا ہے قافلہ دل کا

(رام دیال سخن)

اس گل کا نہ لائی کبھی پیغام مرے پاس
شرمندہ کبھی میں نہ ہوئی بادِصبا سے

(شریمتی جانکی بی بی)

کیا خطا مجھ سے ہوئی ہے جو ہوئے ہو بیزار
اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم مجھ کو

(شریمتی دھن راج ناز)

سنا ہے آپ ذکر عاشق ناشاد کرتے ہیں
جزاک اللہ مجھے بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں

(سنگر دیال فرحت)

جب دم نزع عیادت کو وہ دلبر آیا
ناز کرتا ہوا دم بھی مرا لب پر آیا

(شیو پرشاد دیبی)

دیر میں ہے وہ نہ ہے کعبہ میں اور ہے سب کہیں
طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا

(منشی دیبی پرشاد سحر)

جام صہبا نے لیا بوسہ لب میگوں کا جب
قلقل مینا سے نکلا غل مبارکباد کا

(ہر چند کشور ہر چند)

مندرجہ بالا اشعار میں زندگی کے مختلف رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں شاعری کے محاسن اور خیال نو کی جھلکیاں بھی واضح طور پہ نظر آتی ہیں۔ان میں روایت کی چاشنی بھی ہے اور نئے پن کا احساس بھی۔لفظ اور معنی کا حسین امتزاج ان شعرا کے انفراد کی دلیل ہے۔تمام اشعار انیسویں صدی کی اردو شاعری کی روایت کے غماز ہیں اور ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں اردو کی تاریخ کے کتنے ایسے گوشے ہیں جو ایسے نابغہ روز گار شاعروں کے عدم تذکرہ کے باعث خالی پڑے ہیں۔اوپر دیئے ہوئے اشعار میں ہمیں صرف ہجر ووصال، عشق ومحبت، غم زمانہ اور غم ذات ہی نہیں نظر آتا بلکہ ان میں ہمیں وقت کے بدلنے کی رفتار اور خیال کے بڑھنے اس کے تنوع کے احساس کو سمجھنے کی تحریک ملتی ہے۔ان اشعار میں اپنے عہد کی زندگی کا المیہ بیان کیا گیا ہے اس دور کی طربیہ شاعری کی لہر کو پیوست کیا گیا ہے۔اس میں ایک جہد مسلسل ہے جس سے نہ صرف یہ کہ اردو شاعری نے عروج حاصل کیا بلکہ ایک نئے ڈھنگ سے قاری کو اپنا دلدادہ بنایا۔ان اشعار کی ایک بڑی خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے ماضی سے بہت قریب اور مستقبل سے ہمکنار ہیں ان

میں تازگی کی رمق بھی ویسی ہی ہے جیسی روایت کی خوشبو۔ ان اشعار سے کہیں بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ اپنے عہد کے عظیم شعرا کے کلام سے کسی درجہ کمزور ہیں۔ اس کے بالمقابل اردو شاعری کی تاریخ میں بہت سے نام ایسے ہیں جن کا کلام ان نمونوں کے طور پہ پیش کیے گئے اشعار سے کہیں زیادہ کم درجے کا ہے۔

ان اشعار کو میں کیا کیا خوبیاں ہیں، میں اگر انہیں نکات کے طور پہ بیان کروں تو وہ مندرجہ ذیل ہوں گے:

جوالا پرشاد آذر کا شعر: ہرجائی کا استعمال اس خوبصورتی سے کیا گیا ہے جس کی مثال اردو شاعری میں بہت کم ملتی ہے۔ شاعر نے شعر میں محبوب کی بے وفائی کا تذکرہ کرنے کے بجائے ایک نیا ڈھنگ نکالا ہے جس سے شاعرانہ لطف پیدا ہو گیا ہے۔ وہ دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں کا جواز لفظ ہرجائی سے پیش کر رہا ہے جس سے شعر میں ایہام اور معنی آفرینی پیدا ہو گئی ہے۔

امرناتھ آشفتہ کا شعر: اضافت در اضافت اور معنی کے ژولیدہ نظام کے باعث آشفتہ کا شعر غالب سے بہت قریب ہو گیا ہے لیکن اس میں انہوں نے غالب کے انداز سے خود کے انداز کو جدا رکھا ہے۔ اس طور پر کہ تیر پیکاں کو مرہم کہنے کے بعد بھی وہ موت کو درماں کہتے ہیں جبکہ غالب کی شاعری میں ہمیں زندگی کی ترجیحات میں نقش سویدا کی دلیل نظر آتی ہے۔ آشفتہ نے شعر میں معنی کو مزید کشادہ بنانے کی سعی کی ہے اور داغ جگر کی ترکیب سے مرہم اور تیر پیکاں میں رعایت لفظی پیدا کر دی ہے جو ان کی شاعری کا کمال ہے، یہ غور طلب ہے کہ دونوں معنوی اعتبار سے متضاد ہیں۔

سندر لال بسمل کا قطع: خالص کلاسکی رنگ میں کہا ہوا قطع ہے، جس میں تشبیہ اور استعارے کا فنی باریکیوں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ فارسی زبان میں اس عہد کے رائج شعرا نے شمع کو انگلیوں سے خاصی نسبت دی ہے۔ سندر لال نے اس مضمون کو اردو میں نئے انداز سے باندھا ہے۔ اس طور کہ اغیار کا دانتوں میں انگلی دبانا میر صاحب کے بعد کسی کے یہاں اس انداز میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے مراد غیر کا کڑھنا تو ہے ہی ساتھ ہی ایک نوع کی وصالی کیفیت پہ رشک کرنے کا تصور بھی ہے۔

جوہر سنگھ جوہر کا شعر: جوہر نے اپنے شعر میں مومن کے اشعار کی مانند ایک لطیف معاملہ بندی اور معنی خیز عنصر پیدا کیا ہے۔ منجم سے معصومانہ استفسار اور سادہ بیانی نے شعر میں سحر پھونک دیا ہے۔ مہ کام کا استعارہ اتنے منفرد انداز میں باندھا ہے کہ شعر کی فنی فضا بہت بلند ہوگئی ہے۔ مومن نے اپنے اشعار میں جس نوع کی لطیف عشقیہ آنچ کو روا رکھا ہے اس کا پرتو بھی جوہر کے شعر میں نظر آتا ہے۔ اس شعر میں فلسفہ اور معنی کی پیچیدہ تہیں نہیں ہیں بلکہ غزل کا وہ خالص مزاج ہے جسے کلاسکی اردو شاعری کا خاصہ تصور کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی جو اشعار ہیں ان میں اپنے دور کے مختلف زاویہ فن کو بیان کیا گیا ہے۔ شعر گوئی میں سب سے بنیادی چیز زبان کا انوکھا استعمال اور روایت میں اضافہ تصور کیا جاتا ہے۔ اردو کلاسکی شعرا میں ولی سے غالب تک تمام شعرا نے اردو شاعری کی روایت میں اضافہ کیا ہے، مگر تاریخ کی کشادہ شاہراہوں پہ موجود ان شعرا کا کلام جنہیں نظر انداز کر دیا گیا، تلاش کیا جائے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعری کی روایت جسے ہم کہہ رہے ہیں وہ کتنی وسیع ہے اور ہندوستان کے ہندو شعرا نے اس امر میں کتنے اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔

انیسویں صدی میں جہاں بات شاعری سے زیادہ فکشن کی ہوئی۔ اس میدان میں بھی غیر مسلم ادیبوں اور تخلیق کاروں نے بہت اہم کارنامے انجام دیئے۔ حالاں کہ تاریخ میں ان کا ذکر بھی کم ہی ہوا، لیکن گاہے بہ گاہے ادبی رسائل، جرائد اور اخبارات میں غیر مسلم فکشن نگاروں کی تحریریں سامنے آتی رہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد بھی بڑی تعداد میں ایسا فکشن شائع ہوا جو صرف غیر مسلموں کا تخلیق کیا ہوا تھا۔ ان سب کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے کتنا فکشن لکھا ہے۔ اس ضمن میں رام لعل اور دیپک بدکی کی کتابیں بہت معاون ثابت ہوئیں۔ دیپک بدکی اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> افسانوی ادب کی نشونما میں غیر مسلموں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ بقول شخصے اردو افسانوی ادب سے پریم چند، کرشن چندر اور بیدی نکالا جائے تو باقی رہ ہی کیا جاتا ہے۔ دراصل اردو کی افسانوی افق پر غیر مسلم افسانہ نگاروں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔ اس زبان کی دلکشی اور اثر انگیزی کا یہ عالم رہا ہے کہ سیکڑوں ہندو، سکھ اور عیسائی ادیب اس کے گرویدہ ہو گئے اور انہوں نے اس زبان میں بہترین اشعار، افسانے، ناول اور ڈرامے لکھے۔(4)

یہ بات قابل غور ہے کہ غیر مسلموں میں عیسائیوں کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دیپک بدکی نے اپنی کتاب ''اردو کے غیر مسلم افسانہ نگار'' میں 158 نمایاں ترین نام گنوائے ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً 100 نام ایسے ہیں جن کا تذکرہ انہوں نے اختتام سے پہلے ''کچھ اور نام'' کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں کیا ہے۔ ان کی دی ہوئی

فہرست یقیناً مکمل نہیں کیوں کہ اس میں بہت سے ناول نگار شامل ہونے سے رہ گئے ہیں جنہوں نے افسانے نہیں لکھے، باوجود اس کے اس فہرست سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اردو کے افسانوی ادب میں غیر مسلموں نے کتنی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ میں یہاں دیپک بدکی کی کتاب میں موجود نمایاں افسانہ نگاروں کے نام درج کر رہا ہوں تا کہ ان میں سے چند ایک خصوصی گفتگو کی جا سکے۔

پریم چند، شوبرت لال ورمن، برجموہن دتا تریہ کیفی، پنڈت کشن پرشاد کول، امر سنگھ، جگت موہن لال رواں، پنڈت میلا رام وفا، بدری ناتھ سدرشن، گوبند پرشاد آفتاب، نرسنگھ داس نرگس، گوپال متل، کرم چند مہاجن، رنبیر سنگھ، دیویندر ستیارتھی، پریم ناتھ پردیسی، کنہیا لال کپور، اوپندر ناتھ اشک، دولت رام گپتا، ضیا فتح آبادی، ہنس راج رہبر، دھرم ویر، گوری شنکر لال اختر، بھارت چند کھنہ، پریم ناتھ در، مظلوم کیتھالوی، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، شمشیر سنگھ نرولا، کوشلیا اشک، جمنا داس اختر، لال چند پرارتھی چاند، کرتار سنگھ دگل، راما نند ساگر، مہندر ناتھ، تاجور سامری، کشمیری لال ذاکر، فضا جو کالوی، ہمت رائے شرما، شنکر سروپ بھٹناگر، ریوتی سرن شرما، ارنسٹ ڈی ڈین، بلونت سنگھ، ہیرا نند سوز، گربچن چندن، پرکاش پنڈت، ٹھاکر پونچھی، وجے سمن سوسن، بلراج ورما، رام لعل، سوم ناتھ زتشی، مم راجندر، دیش چتر کار، سرلا دیوی، اوم پرکاش لاغر، مانک ٹالا، سیموئیل وکٹر بھجن، اوم کشن راحت، دت بھارتی، بشیشر پردیپ، جوگندر پال، کرم چند دھیمان، م ک مہتاب، ہرچرن چاولہ، اندر جیت گاندھی، اندر جیت لال، رتن سنگھ، نریش کمار شاد، موہن یاور، کھیم راج ساگر گپت، گردیال سنگھ عارف، رام کمار ابرول، بنسی نردوش، دیویندر اسر، بلراج کومل، راج کنول، امر سنگھ، یوگیندر بہل تشنہ، کنور سین، کشوری

منچندہ، بلدیوشانت، شرون کمار ورما، نندکشور وکرم، سریندر پرکاش، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، کرشن گوپال عابد، ستیہ پال آنند، کے کے کھلر، تیج بہادر بھان، دلیپ سنگھ، مان سنگھ امرت، او پی شرما سارتھی، پریم پرکاش کھنوی، نریندر لوتھر، بھگوان داس اعجاز، ساوتری گو سوامی، ساگر سرحدی، نریندر ناتھ سوز، کرشن بے تاب، ویدراہی، یش سروج، گلشن کھنہ، ڈاکٹر ست پرکاش سنگر، آرڈی شرما تاثیر، پشکر ناتھ، انل ٹھکر، کرن کاشمیری، امیش کول، بلراج مین را، برج کتیال، کمار پاشی، ڈاکٹر برج پریمی، جگدیش بمل، ستیش بترا، گلزار، امر ناتھ دھمیجا، سردار سرن سنگھ، روپ ملک، کدار ناتھ شرما، جتیندر بلو، ڈاکٹر کیول دھیر، مالک رام آنند، کے کے نندہ اشک، سریندر ناتھ ورما، ویریندر پٹواری، جوتیشور پتھک، امر مالموہی، رتن سنگھ ہمیش، سردار لال نشتر، آشا شیلی، وجے سوری، ڈاکٹر نریش، مدن موہن شرما، گردھاری لال خیال، دیپک کنول، کلدیپ رعنا، راجندر ورما، اجیش کمار اوج، او پی شاکر، ہربنس گنڈوترہ، ساغر پالم پوری، بخشی رام مسافر، خوشدیو مینی، ڈاکٹر اشوک پٹواری، طالب کاشمیری، بلراج بخشی، دیپک بدکی، جسونت منہاس، اندرا شبنم اندو، آنند لہر، بہاری لال بہار شملوی، آشا پربھات، ڈاکٹر رینو بہل، جوگ راج یوگ، پشکر ناتھ پیر کاشمیری، بلدیوراج بھنڈولہ، پریم عالم، نریش چند ساتھی اور کاہن سنگھ جمال۔

پریم چند

اردو فکشن کی تاریخ میں پریم چند کا نام جلی حروف میں لکھا جاتا ہے۔ انہوں نے ناول اور افسانہ ان دونوں اصناف میں خوب طبع آزمائی کی۔ ان کے افسانوی مجموعے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ جن میں افسانے کے ابتدائی نقوش کے طور پہ

ہندوستانی سماج کی مختلف پریشانیوں اور مسائل کو کہانی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ پریم چند کا پہلا افسانہ 1904 میں زمانہ کانپور میں شائع ہوا تھا، جہاں سے اردو افسانے کی ابتدا ہوئی۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ سوز وطن 1907 میں منظر عام پہ آیا تھا جس وقت اردو میں زمینی مسائل کو افسانوی رنگ دینے والا کوئی بھی موجود نہ تھا۔ پریم چند سے قبل دلی اور لکھنو کی عوامی اور شاہانہ زندگی کو نثر نگار اپنا موضوع بنائے ہوئے تھے، اردو مشہور فکشن نگار عشرت لکھنوی جن کی تحریریں پریم چند کے زمانے میں شائع ہوتی رہیں انہوں نے اپنی نثریہ کتب میں ایسی تحریریں لکھیں ہیں جن سے لکھنو کے عیاش طبیعت لڑکوں کا حال سمجھ میں آتا ہے۔ انہوں نے بعد میں افسانے کی طرف بھی اپنا قلم موڑا اور ''لکھنو کی کنکوا بازی'' جیسے مشہور افسانے لکھے، انہیں کی طرح ناصر نذیر فراق نے بھی ''لال قلعے کی ایک جھلک'' اور ''بیگمات دلی'' کے واقعات کو اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ مگر پریم چند نے ان ادیبوں کے بالمقابل دو نہایت نمایاں اور اہم کارنامے انجام دیئے۔ پہلا یہ کہ انہوں نے اردو میں افسانے کی ابتدا کی اور ادب کو ایک نئی صنف بخشی جس کی کمی اردو میں شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے ہندوستانی کسان اور غریب عوام کو اپنا موضوع بنایا اور اپنے عہد کے لکھنے والوں سے قدر مختلف انداز میں نہایت سنجیدگی سے ان کے مسائل کو سمجھنے کی سعی کی۔ انہوں نے اپنے ملک کو بھی سمجھا اور ملک کی فضا میں وطن پرستی کے عنصر کو بڑھاوا دینے والی کہانیاں لکھیں۔ اس سے نو آبادیاتی عہد میں ہندوستانی عوام میں وطن پرستی کی نئی لہر نے سر اٹھایا۔ پریم چند کے افسانوں میں سادہ زبان اور سلیس موضوعات کو اس طرح تخلیق کیا گیا ہے کہ کہانی بھرپور انداز میں ظاہر ہوتی ہے۔ پھر خواہ وہ ودھوا عورتوں کے مسائل پہ کہانی لکھیں یا اناتھ بچوں کے، بوڑھے ماں، باپ کی

زندگی کو اپنا موضوع بنائیں یا مذہبی جذباتیت کو۔ان کی شناخت ہی یہ کہ انہوں نے جتنا بھی فکشن لکھا اس میں ابتدا سے انتہا تک اپنی الگ شناخت کو قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ساتھ ہی آزادی ہند کے موضوع پہ انہوں نے اتنا دیہان دیا کہ ان کی کہانیوں کا بنیادی عنصر اسی مسئلے کو کہا جا سکتا ہے بقول اصغر علی انجینیر :

وطن کی آزادی پریم چند کی زندگی کا اولین مقصد تھا۔انہوں نے اپنا قلم اسی مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔1935 میں پنڈت بنارسی داس چتر ویدی کو ایک خط میں لکھتے ہیں ۔''میری تمنائیں کچھ نہیں ہیں ۔اس وقت سب سے بڑی تمنا یہ ہی ہے کہ ہم آزادی کی لڑائی میں فتح یاب ہوں۔دولت یا کامیابی کی آرزو مجھے نہیں رہی۔کھانے بھر کو مل جاتا ہے۔موٹر اور بنگلے کی مجھے ہوس نہیں۔ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دو چار اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھوں، لیکن اس کا مقصد بھی سوراجیہ کی جیت ہی ہو۔''(5)

دیویندر ستیارتھی

اردو کے مشہور افسانہ نگار پریم چند کے فوراً بعد اگر کوئی نام سب سے نمایاں ہے وہ ستیارتھی کا ہی ہے۔ان کے افسانوں کے کئی مجموعے اور ناول منظر عام پہ آئے مثلاً نئے دیوتا 1942،اور بانسری بجتی رہی 1945 ، نئے دھان سے پہلے (ہندی)،سڑک نہیں بندوق (ہندی)1950،دیوتا ڈگ پیا (پنجابی)1953،کٹھ پتلی (ناول)1954، برہم پتر (ناول)1956،دودھ گاچھ (ناول)1958،گھوڑا پادشاہ (پنجابی ناول)1965،

پیرس کا آدمی 1969، سوئی بازار(پنجابی ناول) 1982 اور مس فوک لور 1994۔ ہندوستانی ادب میں لوک کہانیوں کو جمع کرنے کا جو کارنامہ انہوں نے انجام دیا وہ ان سے قبل اور ان کے بعد کسی سے نہ ہو سکا۔ ان کی کہانیوں اور ناولوں میں بھی ان لوک گیتوں میں موجود مسائل در آئے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے پریم چند اور منٹو ان دونوں مشہور افسانہ نگاروں کی مانند بھی فکشن لکھا ہے لیکن ان کے یہاں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں زبان قدر سنجیدگی سے استعمال ہوئی ہے اور مسائل جو جذباتی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ستیارتھی اردو کے ساتھ ہندی اور پنجابی زبان میں بھی معرکہ آرا کہانیاں تخلیق کیں جن کاموں کے اعتراف میں انہیں ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ ان کے اردو افسانے افسانہ نگاری کی تاریخ میں نمایاں اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں بقول ڈاکٹر عبدالسمیع:

> دیویندر ستیارتھی کی تخلیقی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اردو افسانے کے تمام موڑ کو سمجھنا ضروری ہے۔ میں نے جب ان کے افسانوں کو پریم چند، منٹو، بیدی اور مین را کی تخلیقات کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ ستیارتھی کی تخلیقیت ہر زمانے میں ایک نئے امکان کا پتہ دیتی ہے۔(6)

ستیارتھی نے اردو میں کل 106 افسانے لکھے ہیں جو اسلوب کی بنیاد پہ اپنے معاصرین سے کلیتاً مختلف ہیں۔

کرشن چندر

اردو افسانے کی تاریخ میں کرشن چندر سے زیادہ کام کسی اور تخلیق کار نے نہیں کیا انہوں نے درجنوں ناول لکھے اور 500 سے زیادہ افسانے تخلیق کیے۔ ان کے افسانوی مجموعے اردو کے علاوہ بھی کئی زبانوں میں ترجمہ کیے گئے۔ ان کے پہلے ناول شکست سے جو 1943 میں شائع ہوا ناول نگاری کو ایک نیا موڑ ملا۔ افسانوں میں ان کی زبان اور کہانی کی بنت کو خاص طور پہ پسند کیا گیا۔ ان کے یہاں ابتدا سے ہی زندگی کو مختلف انداز سے دیکھنے کا ہنر پایا جاتا تھا۔ جس کو انہوں نے اپنے افسانوں میں ڈھال دیا۔ کرشن چندر ترقی پسند تحریک کے سب سے اہم افسانہ نگار ہیں۔ جنہوں نے صرف ایک تحریک سے وابستہ ہو کر ہی تخلیق کا سلسلہ جاری نہیں رکھا، مگر انقلابی موضوعات پہ معرکے کی کہانیاں تحریر کیں۔ کالو بھنگی، دو فرلانگ لمبی سڑک، انسان اور حیوان، پورے چاند کی رات، پشاور ایکسپریس، آدھے گھنٹے کا خدا، مہالکشمی کا پل، جامن کا پیڑ، کنواری، ان داتا اور چاندی کا کمر بند ان کی مشہور ترین کہانیاں ہیں۔ جن میں انسانی دکھ، احساس زیاں، تخریب کاری، ہوس، لالچ اور گھمنڈ اور جذباتی کشمکش کو بحسن وخوبی پیش کیا گیا ہے۔ کرشن چندر کے افسانوں میں عوامی زندگی کو پریم چند سے مختلف انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے بدلتے وقت کی کشمکش اور انسان کی حیرت ناکیوں کی کہانی لکھی ہے۔ انہوں نے کالو بھنگی میں ایک کوڑا اٹھانے والے کی زبانی اپنے سماج کی پیچیدہ حقیقتوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی

منٹو، عصمت، کرشن چندر اور بیدی یہ اردو افسانے کے چار ستون کہے جاتے ہیں جنہوں نے اردو افسانے کے جدید رنگ کی بنا ڈالی۔ بیدی ان چاروں میں زبان اور اسلوب ہر دو سطح پہ زیادہ سنجیدہ اور گہرے مزاج کے واقع ہوئے ہیں۔ان کی کہانیوں میں جزیات نگاری اور انسانی جذبات کی باریک سے باریک نفسیاتی الجھن کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔انہوں نے 1946 میں اپنے پہلے مجموعے ''دانہ ودام'' سے اردو افسانے کی دنیا میں قدم رکھا اور اس کے بعد ایک سے بڑھ کر ایک افسانوی مجموعے اردو ادب کو دیئے۔ اردو افسانہ ان کے کاموں کے بغیر اپنی تاریخ مکمل نہیں کر سکتا۔ انہیں اردو کا گورکی کہا جاتا ہے۔ان کی اہم کتب میں اپنے دکھ مجھے دے دو، بے جان چیزیں، ایک چادر میلی سی، گرہن، ہاتھ ہمارے قلم ہوئے، کوکھ جلی، مہمان، مکتی بودھ، مقدس جھوٹ، رانو اور سات کھیل ہیں۔

کشمیری لال ذاکر

کشمیری لال ذاکر کا شمار فکشن نگاروں کی اس صف سے ہے جنہوں نے بیدی اور منٹو کے زیر سایہ اپنی فکشن نگاری کی ابتدا کی، مگر ان میں سے چند ہی ایسے منظر نامے پہ ابھرے جنہوں نے اپنے اسلوب سے مختلف ادبی فن پارے تخلیق کیے۔ کشمیری لال ذاکر نے افسانے، ناول اور غیر تخلیقی نثر بہت سی کتب لکھیں جن میں سے زیادہ تر میں انقلاب اور جنگ آزادی کے قصوں کو نئے انداز میں بیان کیا گیا تھا۔آزادیِ ہند کے بعد

کشمیر کے الم ناک واقعات پہ ان کی کہانیاں بہت مشہور ہوئیں۔ ان کی کتابیں اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ مشہور کتب میں آدھے چاند کی رات، عکس رخ گلبدن، انگوٹھے کا نشان، بنجر بادل، بیریوں والا فقیر، بلیک باکس، ڈوبتے سورج کی کتھا، اس صدی کا آخری گرہن، جب کشمیر جل رہا تھا، جاتی ہوئی رت اور میرا آنچل میلا ہے، کو شمار کیا جاتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے نمایاں ادیب تھے، فکشن نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے شاعری بھی کی۔ مگر ان کی شناخت فکشن نگار کی ہی ہے۔ بقول نند کشور وکرم:

> ذاکر صاحب ملک کے واحد فکشن نگار ہیں جنہوں نے ہر اہم سماجی، قومی اور وطنی کو ایک کہانی یا ناول کی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ سونامی کا لرزہ خیز قہر ہو یا بھوپال گیس کا المیہ بھودان تحریک ہو یا خواتین پر گھریلو جبر یا تشدد کے مسائل، رونگٹے کھڑے کر دینے والا کنشک ہوائی حادثہ ہو یا کشمیر میں غریبی، غلامی اور تشدد اور جنگجوانہ صورت حال سے نبرد آزما عوام کی صورت حال، ملک میں خشک سالی سے متاثر کسان اور مزدور ہوں یا ملک میں بندھوا مزدوروں کا مسئلہ، قومی یکجہتی کا مسئلہ ہو یا ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی۔ غرض کہ ہمارا کوئی بھی ایسا قومی مسئلہ نہیں جس پر انہوں نے کوئی ناول، افسانہ یا ڈرامہ قلمبند نہ کیا ہو اور کئی تو ایسے مسائل ہیں جن پر صرف انہوں نے ہی اپنی فکشن نگاری کے نقوش ثبت کئے ہیں۔ (7)

بلونت سنگھ

ترقی پسند تحریک سے وابستہ اردو کے معروف افسانہ نگار جنھوں نے پنجاب کی دیہی زندگی پہ لاجواب افسانے لکھے۔ان کی کہانیوں میں انسانی نفسیات کو باریکی سے پیش کیا گیا ہے۔فسادات اور عورت کو بھی انہوں نے اپنے بعض افسانوں میں مرکزی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ان کی افسانوں میں ترقی پسند مصنفین کے عمومی ادیبوں کی طرح آزادی کے جذباتی نعرے نہیں ملتے، بلکہ نئی زندگی کا طلوع ہوتا ہوا نظام نظر آتا ہے جو حیات نو کی مسرتوں سے بھرا ہوا ہے۔مشہور کتب ایک معمولی لڑکی، تار و پود، عاشقانہ خط و کتابت، عورت اور آبشار، کالے کوس اور ہندوستان ہمارا ہیں۔

رام لعل

رام لعل کے افسانوں میں ہر زمانے کی جھلکیاں، کچھ اپنی روداد یں، کچھ دل جلوں کی کہانیاں اور کچھ ایسی بولتی ہوئی تصویریں ملتی ہیں۔ان کے افسانوں نے ذہنی اور نفسیاتی الجھنیں گرفتار کی ہیں۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے حادثے، ماحول کی ناہمواریاں، تعصب کی زنجیریں، سماجی رشتے، کرداروں کی اندرونی شخصیت کے نئے نئے گھروندے ان تمام پہلوؤں کو ان کے افسانوں نے جذب کرلیا اس طرح کے ظاہری برتاؤ کی تعبیر و تفسیر کے لیے بہت سے پردے اٹھائے گئے۔کردار اور صورت حال ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے لگے۔(8)

پنجاب میں پیدا ہوئے لکھنو کے نمایاں ادیب رام لعل کی کہانی پہ مندرجہ بالا تبصرہ

حرف بہ حرف درست ہے۔ ان کی کہانیوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے کہ موضوعات کا بکھراؤ بعض اوقات قاری کو حیران کر دیتا ہے۔ انہوں نے افسانے، ناول اور سفر نامے اپنی تخلیقی طبیعت کو بروئے کار لاتے ہوئے اتنے منفرد انداز میں لکھے ہیں کہ ان کے معاصرین میں کوئی ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔ تخلیقی نثر کے علاوہ انہوں نے تذکرہ نگاری بھی کی اور تنقید و تحقیق کے میدان میں بھی کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کا ایک سفر نامہ زرد پتوں کی بہار جو انہوں نے پاکستان کے سفر کے بعد لکھا تھا بہت مشہور ہوا۔ انہیں اپنی ادبی خدمات کے صلے میں 1993 میں ادب کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ان کی اہم کتابوں میں آواز تو پہچانو، اکھڑے ہوئے لوگ، جو عورت ننگی ہے، چراغوں کا سفر، سورج جیسی رات، معصوم آنکھوں کا بھرم دریچوں میں رکھے چراغ، ڈوبتا ابھرتا آدمی، ایک اور دن کو پرنام، گلی گلی، گزرتے لمحوں کی چاپ اور کل کی باتیں شمار کی جاتی ہیں۔ ان کی کتابیں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ ہندی کتب میں بھارت کے سنت مہاتما قابل ذکر ہے۔

جوگندر پال

اردو افسانے میں نئے تجربات کرنے والے غیر مسلم ادیبوں میں سرفہرست جوگندر پال کا نام آتا ہے۔ انہوں نے افسانے کو مختصر کر کے افسانے کی صنف کے تجرباتی زاویوں پہ کام کیا ہے۔ ان کے افسانچوں میں سادہ اسلوب اور تخلیقیت ان دو عناصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اردو میں ان سے بہتر افسانچے کسی نے نہیں لکھے۔ حالاں کہ انہوں نے افسانے اور ناول بھی تخلیق کیے، لیکن ان کی شناخت ان کے

افسانچے ہیں۔ انہوں نے اردو میں پہلی مرتبہ افسانچوں میں ہجرت کے کرب کا موضوع داخل کیا جس سے نئے لکھنے والوں کو مختلف راہ تخلیق نصیب ہوئی۔ ان کے مشہور افسانچوں میں درختوں میں بھی جان ہوتی ہے، ویشیا ئیں، ہیڈ لائٹس، تعاقب، پس ماندگی، نقطہ نظر، ربط وضبط، ماضی، پروڈکشن، نائز پولیوشن اور سننے کی بات شامل ہیں۔ انہوں نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ادب تخلیق کیا ہے۔ تخلیق کے علاوہ ان کے تنقیدی مضامین بھی مختلف اردو رسائل کی زینت بنتے رہے۔ جوگندر پال نے اپنی زندگی میں کل 45 کتابیں لکھیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

میں کیوں سوچوں (1962)، آمد و رفت (1975)، بیانات (1975)، بے ارادہ (1981)، بے محاورہ (1978)، کتھا نگر (1986)، کھلا (1989)، لیکن (1977)، سلوٹیں (1975) اور رسائی (1969) وغیرہ۔

بلراج کومل

بلراج کومل اردو ادب میں اپنی نظم کے حوالے سے جانے جاتے ہیں، جس زمانے میں انہوں نے شاعری کا آغاز کیا اس عہد میں ترقی پسند تحریک اپنے عروج پہ تھی، لیکن ان کی شاعری میں تخلیقیت اور نفسیاتی کشمکش اتنی عمدگی سے نظم کی جاتی تھی کہ انہیں اپنے عہد کے تمام شعرا سے منفرد گردانا گیا۔ انہوں نے اردو شاعری تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ کہانیوں کی طرف آئے اور بہت معیاری افسانے لکھے۔ افسانوں کے علاوہ تنقید کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ بلراج کومل نے تقریباً دس کتابیں مختلف اصناف ادب میں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ ان کتب میں آنکھیں اور پاوں، ادب کی

تلاش، اگلا ورق، لمبی بارش، میری نظمیں، نژاد سنگ، سفر مدام، شہر میں ایک تحریک، تواتر اور تسلسل اور پرندوں بھرا آسمان قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر کتاب پہ انہیں 1985 کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ بھی ملا۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ کہانی اور پاؤں ہے۔

نند کشور وکرم

نند کشور وکرم پنجاب کے رہنے والے اردو کے ایک نمایاں ادیب تھے۔ جنہوں نے اردو میں تنقید، تحقیق، تخلیق ہر میدان میں اہم کتب یادگار کے طور پہ چھوڑی ہیں۔ وہ بنیادی طور پہ افسانہ نگار تھے، مگر اردو صحافت سے بھی ان کا گہرا رشتہ تھا۔ تذکرہ نگاری پہ کتب جو اردو میں محمد حسین آزاد کے بعد کم کم ہی لکھی گئیں ان میں رام لعل کے بعد نند کشور وکرم کا ہی نام آتا ہے۔ ان کا مشہور تذکرہ مصور تذکرے کے نام سے 2012 میں شائع ہوا۔ ان کی اہم کتب آدھا سچ، انیسواں ادھیائے، آوارہ گرد، محمد حسین آزاد، کچھ دیکھے کچھ سنے، کرشن چندر اور یادوں کے کھنڈر ہیں۔

سریندر پرکاش

جدیدیت کے زمانے میں جو چند افسانہ نگار بہت مشہور ہوئے جن کے افسانوں میں علامتی اظہار اور بیانیے کے مختلف تجربے کیے گئے ان میں ایک نام سریندر پرکاش کا بھی ہے۔ ان کا ایک افسانہ بجوکا بہت مشہور ہوا۔ جسے پوری دنیا کے اردو نصاب میں شامل کیا گیا۔ ان کی تین کتابوں کو خاصی شہرت ملی جن میں باز گوئی، برف پر مکالمہ اور دوسرے آدمی کا ڈرائینگ روم۔

بلراج مین را

نئی کہانی کا سب سے اہم نام بلراج مین را ہے، جنہوں نے اردو افسانے کو علامت نگاری کے ذریعے نئی استعاراتی زبان بخشی۔ ان کے افسانے 1960 کے قریب منظر عام پہ آنا شروع ہوئے اور 80 کی دہائی تک اپنے انفراد کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ مین را نے اپنی زندگی میں کل 37 افسانے لکھے، جن میں موضوعات کا تنوع اور خیال کی گیرائی بنیادی شناخت کے طور پہ پائے جاتے ہیں۔ ان کا مشہور ترین افسانہ ''وہ'' کے نام سے شائع ہوا جسے بعد میں انہوں نے ''ماچس'' کے عنوان سے اپنے افسانوں کے مجموعے میں شامل کیا۔ مین را اردو کے نئے لکھنے والوں میں سب سے کثیر المطالع ادیب تھے۔ جن کی نگاہ عالمی ادب پہ بہت گہری تھی۔ وہ ایک مدیر کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اردو میں ایک رسالہ ''شعور'' کے عنوان سے جاری کیا جو بہت دیر تک نہ نکل سکا۔ علاوہ ازیں دستاویز کے عنوان سے دو شمارے بھی ان کی ادارت میں نکلے۔ ڈاکٹر سرور الہدیٰ نے مین را کے افسانوں پہ ایک تنقیدی کتاب ''مین را: ایک نا تمام سفر'' کے عنوان سے لکھی ہے جس میں ان کے کل افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

حواشی

1 ص: 2، ہندو شعرا، مولف: خواجہ عشرت لکھنوی، مطبوعہ: نامی پریس، لکھنو 1931۔

2 ص: 5، اردو ہندو شعرا، مقدمہ: رام آسرا راز، مولف: جگدیش مہتہ درد، مطبوعہ: حقیقت بیانی پبلشرز، نئی دہلی 1974۔

3 ص: 27، اردو کے ہندو ادیب، ناظر کاکوروی، مطبوعہ: محبوب المطابع، دہلی، 1934۔

4 ص: 15، اردو کے غیر مسلم افسانہ نگار، دیپک بدکی، میزان پبلشرز، سری نگر، کشمیر 2017۔

5 ص: 47، پریم چند حیات اور فن، اصغر علی انجینیر، این سی ای آر ٹی، دہلی 1981،۔

6 ص:10، دیویندر ستیارتھی، ڈاکٹر عبدالسمیع، ادارہ تحقیق، نئی دہلی، 2015۔

7 ص:7، عالمی اردو ادب، کشمیری لال ذاکر فن و شخصیت، مدیر: نند کشور وکرم، پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز، دہلی، 2009۔

8 ص: 35، رام لعل کی افسانہ نگاری، ظہیر آفاق، شان ہند پبلی کیشنز، نئی دہلی، 1992۔

اردو کی ترویج واشاعت اور
غیر مسلموں کی دیگر خدمات

گزشتہ ابواب میں ہم نے جن امور پہ گفتگو کی ان میں تحقیق اور تنقید کو شامل نہیں کیا اور موجودہ عہد میں جو غیر مسلم شعرا ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں اس کا تذکرہ نہیں ہوا۔ لہٰذا اس باب میں ہم تحقیق اور تنقید میں غیر مسلموں کی خدمات کے ساتھ موجودہ عہد کے شاعروں اور ادیبوں پہ گفتگو کریں گے۔ تحقیق اور تنقید اردو زبان میں نئے موضوعات ہیں۔ تنقید کی تاریخ مولانا الطاف حسین حالی سے شروع ہوتی ہے جن کی مشہور کتاب ''مقدمہ شعر و شاعر'' میں پہلی مرتبہ اردو کی کلاسکی شاعری کا تنقیدی محاکمہ پیش کیا گیا تھا۔ ان کے بعد عبدالرحمن کی مراۃ الشعر، امداد امام اثر کی کاشف الحقائق اور مسعود حسین خاں رضوی ادیب کی ہماری اردو شاعری یکے بعد دیگرے منظر عام پہ آئیں۔ یہاں سے اردو تنقید کا باقاعدہ آغاز ہوا اور وہ تنقید جو تذکروں میں پائی جاتی تھی از کار رفتہ ہوگئی۔ یہ ہی عمل تحقیق کے ساتھ ہوا کہ جب سے برصغیر میں جامعات میں اردو شعبے قائم ہوئے تحقیق کے کام میں تیزی آ گئی۔ حالاں کہ اردو میں تحقیقی کاموں کی ابتدا فورٹ ولیم کالج کے زمانے سے ہی ہوگئی تھی جس کے تحت قدم مسودوں کی تدوین اور اشاعت ثانی کا کام

شروع ہوا۔مگر تحقیق کے ضمن میں سب سے بنیادی کام سرسید نے کیا۔انہوں نے تحقیق اور تنقید ان دونوں اصناف کو ارتقا بخشنے میں پیش قدمی کا مظاہرہ کیا۔لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ علی گڑھ تحریک کے زمانے سے اردو میں تحقیق وتنقید کے کام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے اختتام سے بیسویں صدی کی ابتدا تک ان دونوں اصناف نے دھیرے دھیرے ترقی کی اور ترقی پسند تحریک کے زمانے تک اردو میں ان دونوں اصناف کے ذریعے خاصہ کام ہوا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے تحقیقی کاموں کو کون فراموش کرسکتا ہے جنہوں نے اردو کے اہم متون کو مرتب کر کے ایک مثال اردو زبان میں قائم کردی۔انہیں کے زیر اثر اردو میں جن غیر مسلم ادیبوں نے تحقیق میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں سرفہرست برج موہن دتا تریہ کیفی کا نام آتا ہے۔کیفی صاحب ماہر لسانیات تو تھے ہی لیکن ساتھ ہی ایک عظیم محقق بھی تھے۔جن کی مشہور زمانہ نظم ''توزک قیصری'' تحقیق کا شاہکار تصور کی جاتی ہے۔اس کتاب کی دو خاصیتیں ہیں، پہلی تو یہ کہ یہ ایک منظوم کتاب ہے اور دوسری یہ کہ بادی النظر ایک تاریخی نظم ہے۔لیکن اس کتاب کو بغور پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تخلیق اور تحقیق کا حسین امتزاج ہے۔کیفی صاحب کا یہ انفراد ہے کہ انہوں اپنے عہد میں اس نوع کی ایک طویل نظم کہیں جس کا نقش اولین شبلی نعمانی کے یہاں نظر آتا ہے۔ بعد کے عہد میں تحقیق کے خالص درسی کاموں کا سلسلہ شروع ہوا تو غیر مسلم ادیبوں نے نہایت اہم اور عمدہ کتابیں اردو زبان میں تصنیف کیں۔ان میں مالک رام کی ذکر غالب،شانتی بھٹاچاریہ کی غالب اور بنگال،رام لعل کی اردو افسانے کی نئ تخلیقی فضا، اشک پریم پال کی رتن ناتھ سرشار، گوپی چند نارنگ کی

ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، ویریندر پرشاد سکسینہ کی چند تحقیقی مقالے، سری نواس لاہوٹی کی اردو ادب کی تاریخ، مانک ٹالا کی پریم چند، مدن گوپال کی پریم چند کے خطوط، باوا گوپال کرشن معصوم کی سرور جہان آبادی: حیات و شاعری، اور کالی داس گپتا رضا کی غالبیات چند عنوانات وغیرہ شامل ہیں۔ آگے ہم ان کتب کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کریں گے۔ تحقیق کے علاوہ تنقید کے میدان میں بھی غیر مسلموں نے اسی پائے کی کتب یادگار چھوڑی ہیں مثلاً گوپی چند نارنگ کی ادبی تنقید اور اسلوبیات، اطلاقی تنقید، فکشن شعریات اور تشکیل و تنقید، دیوندر اسر کی فکر و ادب، ادب اور نفسیات اور جدید ذہن، مظلوم کیتھالوی نندلال کی فلمی تنقید، تارا چرن رستوگی کی تنقید و تبصرہ اور جوگندر پال کی رابطہ وغیرہ۔ ان میں منتخب کتب کا تنقیدی جائزہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ بعد ازاں موجودہ عہد کے شعرا کا تنقید محاکمہ پیش کیا جائے گا۔

ذکر غالب (مالک رام)

1938 میں ذکر غالب کا پہلا ایڈیشن مکتبہ جامعہ سے شائع ہوا تھا اور 1976 تک اس کے پانچ ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ مالک رام نے اس کتاب میں غالب کی سوانح بیان کی ہے۔ اس طرح کے ان کی تصنیفات کا تذکرہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔ ذکر غالب اصلاً ذکر میر سے مستعار لیا ہوا نام ہے۔ مالک رام نے یہ کتاب سبد چین کے مقدمے کے طور پہ لکھی تھی، جس میں تحقیق و جستجو سے غالب کی زندگی کے تمام واقعات کو 280 صفحات میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا۔ ان کی سوانح حیات، تصنیفات، لطائف غیبی کے متعلق اور عادات و اخلاق ہر پہلو کو منظم انداز میں پیش کیا

ہے۔سوانح کے ذیل میں ان کے بچپن کے واقعات سے ایام جوانی تک جو غیر مصدقہ باتیں ان کے متعلق مشہور ہیں ان کو مالک رام نے تحقیق سے درست انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس میں ایک عنوان ملا عبدالصمد کے نام قائم کیا ہے اور ان کی اصل حیثیت کا تذکرہ کیا ہے جو بہت سے مصنفین کے نزدیک متنازعہ ہے۔ اس کے بعد شاعری کی ابتدا، قیام دلی کا اثر، اخلاقی اصلاح اور پنشن کے قضیے کے متعلق بتایا ہے۔ غالب کے اپنے چچا سے کیسے تعلقات تھے اور انہوں نے غالب کی سر پرستی کس طرح کی ،الور کے وظیفے کا کیا قضیہ تھا،مولوی محمد معظم اور میاں نظیرا کبرآبادی سے غالب کے کیا معاملات تھے اسے نہایت تحقیق وجستجو سے واضح کیا ہے۔غالب اپنی ابتدائے جوانی میں بہت عیاش طبیعت تھے، حالاں کہ ان کی شادی بہت کم عمر میں کر دی گئی تھی اور انہیں مالی پریشانیاں بھی بہت کم عمر سے جھیلنا پڑیں تھیں۔اس کے باوجود مالک رام کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جوانی میں کس نوع کی رنگ رلیاں منائیں تھیں۔غالب کے اسفار کے متعلق بھی بہت سی غلط روایات مشہور ہیں جن کو مرتب اور تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ مالک رام نے ذکر غالب میں اس کا بھی بھر پور تذکرہ کر دیا ہے۔ان کے ادبی معرکوں کو بھی مالک رام نے ایک عنوان کے تحت پیش کیا ہے، ورود الہ آباد وکلکتہ کے ضمن میں ادبی معرکوں کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> غالب کے ایک فارسی قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس سفر میں دو ہنگامے پیش آئے۔ پہلا الہ آباد میں دوسرا کلکتہ میں۔الہ آباد والے قضیے کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا، ہاں کلکتے کے معرکے سے متعلق ان کی تحریروں میں کافی تفصیل موجود ہے۔(1)

غالب کی زندگی کے متعلق جو کتابیں مالک رام سے قبل آئیں ان میں بھی الہ آباد کے معرکے کی تفصیل مفقود ہے۔ مالک رام کی کتاب سے غالب کی زندگی کے علاوہ اس عہد کے اہم تاریخی واقعات کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً غدر کے حالات، ولیم فریزر کا قتل، بہادر شاہ ظفر، نواب رام پور، خلعت اور دربار کی رسوم اور دلی کالج کے حالات کی تفصیلات بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔ مالک رام نے غالب کی تصنیفات کا ایک باب قائم کیا ہے اور ضمن میں ان کی نثر اور نظم، اردو و فارسی دونوں طرح کی تصنیفات کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ فارسی میں کلیات نثر، پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو، قاطع برہان، درفش کاویانی، کلیات نظم، سبد چین، باغ دو در، دعاء صبا، ماثر غالب، متفرقات غالب اور رسالہ فن بانک کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اردو میں گل رعنا، دیوان اردو، عود ہندی، اردوئے معلّٰی، مکاتیب غالب، نادرات غالب، غالب کی نادر تحریریں، نکات غالب ورقعات غالب، قادر نامہ اور انتخاب غالب شامل ہیں۔ مالک رام کی اس کتاب کے تحقیقی معیار کا اندازہ ان کی کتاب کے اختتام پر موجود اشاریے اور کتابیات سے ہوتا ہے۔ کتابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو لکھنے کے لیے کل 61 کتابوں کی مدد لی۔ جن میں سے 18 غالب کی کتب، 39 دیگر مصنفین کی کتب اور 4 انگریزی کی کتب ہیں۔ علاوہ ازیں موقت الشیوع رسائل میں سے 19 سے مدد لی گئی ہے۔ اشاریے میں تقریباً 500 شخصیات کا ذکر ہے ان اعداد کے ساتھ جن صفحات پہ ان کا ذکر آیا۔ غالب کی زندگی کو اتنے حوالوں سے مالک رام نے دیکھا ہے کہ اس میں پانچ صد اشخاص کا تذکرہ در آیا ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم حصہ جو نہایت تحقیق طلب بھی ہے وہ قاطع برہان کا مباحثہ ہے۔ اس مباحثے کو مالک رام نے دس عناوین کے تحت پیش

کیا ہے جن میں محرق قاطع اوراس کے جواب، ساطع برہان، نامہ غالب، قاطع القاطع ومویدبرہان، تیغ تیز، ہنگامہ دل آشوب(1)، تیغ تیز، ہنگامہ دل آشوب(2)، شمشیر تیز تر اور مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی شامل ہیں۔ اس باب کے مدلل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس بحث کی ابتدا میں آدھے صفحے میں مالک رام نے اس مباحثے کی ابتدائی تفصیل بتائی ہے اس میں چار حوالے ایک ایک صفحے کا حاشیہ لگایا ہے۔ کل بحث کی تفصیلات جو 8 صفحات پہ پھیلی ہوئی ہے اس میں 20 حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد 5 صفحات میں لطائف غیبی کے مصنف کا بیان ہے جس میں 10 حوالے مختلف کتب سے پیش کیے گئے ہیں۔ مالک رام نے غالب کی سوانح لکھ کر ایک نہایت اہم اور تحقیقی کتاب اردو زبان کو دی، جس میں سوانحی تحقیق کا طریقہ کار اور زبان و بیان کے استعمال کا طور بھی سکھایا گیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں دلی اور اطراف دلی کے اہم واقعات بھی تاریخی شواہد کے ساتھ کیا ہے اور غالب کی زندگی کے وہ پہلو پیش کیے ہیں جو ان سے قبل کسی نے نہیں کیے تھے۔ کتاب کا آخری باب بھی بہت اہم اور معنی خیز ہے جس میں غالب کے عادات و اخلاق کو بیان کیا گیا ہے۔ روایتی انداز سے اس باب میں بھی گریز کرتے ہوئے تحقیقی انداز کو روا رکھا گیا ہے۔

غالب اور بنگال (شانتی رنجن بھٹاچاریہ)

غالب کے اسفار پہ 1980 تک منظم انداز کی کتب منظر عام پہ نہیں آئی تھیں۔ مختلف کتب میں ان کے اسفار کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مالک رام کی کتاب میں بھی کیا گیا ہے۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے غالب کے سفر کلکتہ پہ باقاعدہ ایک کتاب تحریر کی جو

اس موضوع پہ بھی اور غالب کے ایک مختلف سفر پہ بھی پہلی مکمل کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ شانتی رنجن کی کتاب 1977 میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی، لیکن انہوں نے اسے 1970 تک مکمل کرلیا تھا، ان کے اس کام کے بعد غالب کے مختلف اسفار پہ کتابیں منظر عام پہ آنا شروع ہوئیں جن میں بنارس، الہ آباد، جھجر کہ اور دیگر مقامات کے اسفار سے متعلق تھیں۔ اس کتاب میں انہوں نے غالب بنگال کیوں آئے، ان کا کلکتہ سے دہلی تک کا سفر کیسا رہا، کلکتہ میں انہوں نے کون سا مقدمہ لڑا، غالب کے عہد میں کلکتہ کیسا تھا، تجارت، جہاز اور گیس لائٹ کی روشنی کس طرح کی تھی اور کلکتے میں غالب کا مکان کہاں تھا اور وہ کیسا تھا وغیرہ سوالات سے پہلی مرتبہ متعارف کروایا۔ انہوں نے نہایت تحقیق سے یہ بتانے کی کوشش کی کہ غالب کے سفر کلکتہ سے ان کی زندگی پہ کس طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کی نفسیاتی حالت اس زمانے میں کیسی تھی اور وہ کس طرح کے مالی حالات سے گزر رہے تھے۔ شانتی رنجن نے اپنی کتاب میں میوہ ہائے تازہ وشیریں، بادہ ہائے ناب گوارا، نازنین بتان خودرا اور آب وہوا کی مدح سرائی جیسے شاعرانہ باب کے تحت نہایت تخلیقی اور تحقیقی انداز کے مضامین لکھے ہیں۔ انہوں نے اسی کتاب میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مشاعرے کی روداد بھی بیان کی ہے، قاطع برہان کا واقعہ قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ ہگلی میں غالب کے قیام کے واقعات پہ روشنی ڈالی ہے اور کلکتہ میں کون کون اہم شخصیات ان کی شاگردی میں آئیں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنی کتاب کے سب سے آخری باب میں انہوں نے غالب کے ایک خاص کلکتوی قدردان کا تعارف کروایا ہے۔ جو رنجن کی کتاب سے قبل کہیں نہیں کیا گیا ہے۔ غالبیات کے باب میں غیر مسلم ادیبوں کی جتنی کتابیں ہیں، اپنے اختصار کے باوجود شانتی رنجن کا یہ کارنامہ سب سے اہم ہے۔ انہوں اپنی کتاب کی

ابتدا میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اگر وہ چاہتے تو یہ کتاب 500 صفحات کی ہو سکتی تھیں، لیکن انہوں نے اس میں اضافی باتوں کا دخل نہیں ہونے دیا اور اسے صرف غالب کے سفر کلکتہ تک محدود رکھتے ہوئے اس نوع کی زبان کا استعمال کیا کہ یہ تحقیقی کار نامہ 200 صفحات سے بھی کم میں مکمل ہو گیا۔شانتی رنجن کہتے ہیں کہ:

> میں نے ہر بات کو نہایت مختصر اور جامع انداز میں کہنے کی کوشش کی ہے تا کہ بیکار صفحات کا اضافہ نہ ہونے پائے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو چار پانچ سو صفحات پر پھیلایا جا سکتا ہے۔لیکن غیر ضروری طور پر میں نے کہیں کوئی بات نہیں کہی ہے(2)۔

ان کا یہ اعتراف بھی بالکل درست ہے کہ:

> غالبیات میں ایسی کوئی کتاب آج تک منظر عام پر نہیں آئی ہے جو غالب اور بنگال کے موضوع پر ہو۔ میری یہ تصنیف اس کمی کو دور کرنے میں مدد کرے گی۔(3)

ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں (گوپی چند نارنگ)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ عہد حاضر کے بڑے نقاد کے ساتھ ساتھ بڑے محقق بھی ہیں۔ان کی کتاب ”ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں“ تحقیق کی بہترین مثال ہے۔یہ تحقیق کتابی صورت میں 1959ء میں چھپی۔لیکن استدراکات کے ساتھ پہلی بار 1961ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب نہ صرف گوپی چند نارنگ کی پہلی کتاب ہے، بلکہ اس صنف پر اس زمانے کا بڑا تحقیقی کام ہے۔اس تحقیق کو اتنا سراہا گیا کہ 1962 میں

اس کتاب پر" غالب ایوارڈ" ملا جو اس وقت کا ایک اہم ادبی اعزاز تھا۔ 2003 میں یہ کتاب دوبارہ پاکستان سے بھی شائع ہوئی جس کا پیش لفظ انتظار حسین نے لکھا اور اس تحقیقی کام کو خوب سراہا۔ یہ کتاب چار باب اور 357 صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں الگ الگ موضوعات پر اردو میں جتنی مثنویاں لکھی گئیں ہیں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اردو و فارسی نسخوں کے ساتھ ساتھ اردو کے نثری و منظوم نسخوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ مثنوی پر اس کتاب سے پہلے اتنی جامع اور بہترین کتاب موجود نہیں تھی۔ گوپی چند نارنگ کے اس کام کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اردو کے قدیم سرمائے کو اس کتاب کے ذریعے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ ہر باب کے شروع میں ایک موضوع کے تحت آنے والی تمام مثنویوں کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں گوپی چند نارنگ نے مقامی موضوعات پر مشتمل اردو مثنویوں کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ مذہبی مثنویاں: جیسے رامائن از جگن ناتھ خوشتر، رامائن از شنکر دیال فرحت، مہابھارت از طوطا رام شایاں، بھاگوت از خوشتر وغیرہ۔

2۔ تاریخی مثنویاں: مثلاً علی نامہ از نصرتی، میزبانی نامہ اور ظفر نامہ نظام شاہ از شوقی، فتح نامہ ٹیپو سلطان از حسین علی طرب دکھنی وغیرہ۔

3۔ اس میں وہ مثنویاں شامل ہیں جن میں ہندوستانی معاشرے کے کوائف و آثار ملتے ہیں۔ جیسے ہولی کی تعریف میں قائم چاندپوری، شاہ حاتم، فائز دہلوی، اور شیر علی افسوس کی مثنویاں۔ حقے کے بیان میں حاتم کی مثنوی، میر کی مثنوی مرغ بازاں، سودا کی مثنوی ہجو طفل لکڑی وغیرہ۔

4۔ اس میں وہ مثنویاں شامل ہیں جن میں ہندوستان کے فطری مناظر و دیگر موسموں کا بیان ہے۔ مثلاً قائم کی مثنوی شدت سرما، سودا کی مثنوی گرمی کے بیان میں، میر کی مثنوی "درمذمت برشگال"، مصحفی کی مثنوی "دربیان موسم سرما" وغیرہ۔

5۔ مثنویات حب الوطنی: اس میں وہ مثنویاں شامل ہیں جن میں حب الوطنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جیسے۔ حضرت شاہ مراد کی مثنوی در بیان لاہور، سورت کی تعریف میں ولی کی مثنوی، اور سعادت یار خاں رنگیں کی مثنویاں بنارس کے حسن وخوبی کے بیان میں وغیرہ۔

6۔ ہندوستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں۔

گوپی چند نارنگ کی اس کتاب میں صرف آخری قسم کی مثنویوں کو ہی شامل کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''یہاں فقط ان مثنویوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا، جن کا تعلق پرانک قصوں سے ہے یا جو ہندوستان کی قدیم روایت اور لوک کہانیوں سے ماخوذ ہیں۔(4)

اس کتاب میں شامل مثنویوں کو گوپی چند نارنگ نے مزید چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پورانک قصے: ان قصوں کا تعلق ہندوؤں کی مذہبی کتاب مہابھارت رامائن و دیگر پرانوں سے ہے۔

(ب) لوک کہانیاں: ان میں وہ قصے شامل ہیں جو پنچ تنتر، بیتال پچیسی، کتھا سرت ساگر یا جاتک کتھاؤں یا ہندوستان کی قدیم افسانوی ادب سے ماخوذ ہیں۔

(ج) نیم تاریخی قصے: ان میں وہ قصے شامل ہیں جن کا تعلق کسی تاریخی واقعے سے ہے یا جنہیں عوامی روایتوں میں امر واقع سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ہیر رانجھا، سسی پنوں، پدماوت، سوہنی مہینوال، قطب مشتری وغیرہ۔

(د) ہند ایرانی قصے: ان میں ان قصوں کو شامل کیا گیا ہے جو نہ خالص ہندوستانی ہیں نہ ایرانی، مگر دونوں ملکوں کے قصے، کہانیوں کی روایتوں کے ملنے سے ایک نیا قصہ بن گیا ہے۔

اس کتاب میں شامل ہر مثنوی کا قصہ، اس کی تاریخ، کب کس زبان میں اس کا ترجمہ ہوا، کس نے ان کا ترجمہ کیا، سبھی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ:

> ''مثنویوں کو ہر باب کے تحت قصے کی قدامت اور تاریخ کی ترتیب کے اعتبار سے پیش کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مثنوی سے بحث کرتے ہوئے متعلقہ قصے کی قدیم ترین روایت کو سامنے رکھا جائے اور اختلافات کی نشاندہی بھی کر دی جائے۔''

غالبیات چند عنوانات (کالی داس گپتا رضا)

کالی داس گپتا رضا ماہر غالبیات تھے۔ رام لعل کے بعد اس ضمن میں سب سے اہم

نام انہیں کا ہے۔ ان کی کتاب غالبیات چند عنوانات اردو میں غالب کے موضوع پر چند نہایت منفرد کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم خاصیت تو یہ ہے کہ یہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو غالبیات کے چند مختلف مگر اہم موضوعات پہ لکھے گئے تحقیقی مضامین ہیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں غالبیات سے متعلق اہم کتب کا تجزیاتی مطالعہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے اس کی وقعت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ کالی داس گپتا رضا کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 1982 میں منظر عام پہ آئی تھی۔ جس میں ایک موضوع ''مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک تاریخی قصیدہ'' اپنے ترجمے کے ساتھ پہلی مرتبہ شامل ہوا۔ وہ قصیدہ قصیدہ رائیہ ہے۔ جس کے متن کا ترجمہ کالی داس نے اس کتاب کے آخری مضمون کے طور پر پیش کیا ہے۔ دیگر اہم موضوعات میں انہوں غالب کے ایک نوکر خاص کلو داروغہ پہ ایک تحقیقی مضمون قلم بند کیا ہے اور علاوہ ازیں غوث علی شاہ قلندر پانی پتی اور مرزا غالب، مکتوبات شوکت شاگرد غالب، سید جمیل الدین بغدادی مرحوم، بیاض جمیل، بیاض رفعت اور مطالعات و مشاہدات کے عنوان کے تحت تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی تحریریں لکھیں ہیں۔ ان کی اس کتاب میں اپنے عہد کی پچاس مختلف کتب کے اقتباسات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو غالبیات وغیرہ کے مختلف موضوعات پہ لکھی گئی ہیں۔ جن کتب میں درفش کاویانی، مباحثہ گلزار نسیم، متعلقات غالب، بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب، ماثر صدیقی، کاروان خیال، عمر گزشتہ کی کتاب، تلاش غالب، ذکر غالب، ارمغان بے بہا، رسالہ عبدالواسع، نہر الفصاحت، دیوان غالب مع شرح جوش ملسیانی، مکتوبات جوش ملسیانی اور شرح دیوان غالب وغیرہ شامل ہیں۔ کالی داس کی اس کتاب کا مطالعہ کر کے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبیات کے ضمن میں ان کی نگاہ کس قدر وسیع

تھی۔انہوں نے اپنی اس کتاب میں علمی نوعیت کے سوالات غالب کی زندگی اوران کی تحقیق کے حوالے سے قائم کیے ہیں اوران سوالات کے متعلق معلوم اور مجتمع تحقیق کی تردید کی ہے۔کالی داس کے دلائل سے ذکر غالب جیسی مدلل اورعرشی صاحب کا مرتب کیا ہوا دیوان بھی مستثنی نہیں رہے۔انہوں نے غالب پہ لکھنے والے اپنے تمام معاصرین کی تحریروں کے اختلافی پہلو کو بخوبی نمایاں کیا ہے۔کچھ اہم کتب جن میں دیوان غالب عرشی،کلیات غالب فارسی دیوان غالب حامد علی خاں،اردوئے معلیٰ اور تلامذہ غالب پہ ان کی گرفت نہایت پیچیدہ اور دقیق ہے۔مثلاً ذکر غالب میں غالب کے مقروض ہونے کا جو واقعہ ہے اس پہ کالی داس نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> غالب 38 برس کی عمر میں چالس، پچاس ہزار جو آج کا تقریباً دس لاکھ ہوا کے مقروض تھے اور آخری عمر تک صرف آٹھ سو روپیے کے مقروض رہ گئے تھے، گویا ان کو عمر کے آخری 22 برس میں کہیں سے بہت سی دولت مل گئی تھی۔لہٰذا انہوں نے سارا قرض اتار دیا۔(6)

بقول کالی داس کہ ان دونوں باتوں میں کسی نوع کی مناسبت نظر نہیں آتی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب پہ کبھی اتنا قرض تھا ہی نہیں۔بس وہ زیادہ تنخواہ کے لیے ایسی باتیں کہتے تھے۔کالی داس نے اس طرح باریکی سے غالب کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے کہ غالب کی شخصیت کے مختلف تضادات ان پہ کھل گئے ہیں۔وہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ صرف ان متنازعہ مسائل پہ ہی گفتگو کرتے ہیں جن پہ تحقیق کی ضرورت ہے اور اضافی باتوں سے گریز کرنے کے لیے صرف وہ اقتباس نقل کرتے ہیں جو متنازعہ ہے۔

فکشن شعریات (گوپی چند نارنگ)

فکشن شعریات گوپی چند نارنگ کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مختلف فکشن نگاروں پہ لکھے۔ان مضامین کا عرصہ 40 برس پہ پھیلا ہوا ہے۔جس کے درمیان مصنف کی افہام و تفہیم کی دنیا بھی خاصی تبدیل ہوئی ہے۔مگر ایک بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ کتاب کے تمام مضامین میں قدر مشترک کے طور پر فکشن کی شعریات یا بیانات کی تلاش و جستجو کا عمل نظر آتا ہے۔نقاد کی حیثیت سے ان تمام مضامین میں جن کا آغاز پریم چند سے ہوتا ہے اور اختتام ساختیات پہ نارنگ صاحب نے فکریات کے مختلف موڑ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔یہ کتاب 2009 میں تالیفی صورت میں ایجوکیشنل سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی ۔مگر مضامین کی اصل اشاعت کا سن کتاب میں مضامین کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے،جس سے ناقد کے ذہنی ارتقا کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔اس کتاب میں جو مضامین شامل ہیں ان میں سے اہم کے عنوان یہ ہیں:

افسانہ نگار پریم چند، منٹو کی نئی پڑھنت ، بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں ، چند لمحے بیدی کی ایک کہانی کے ساتھ ، بلونت سنگھ کا فن ، انتظار حسین کا فن ، اردو میں علامتی اور تجریدی افسانہ ، نیا افسانہ روایت سے انحراف ، نیا افسانہ علامت ، تمثیل اور کہانی کا جوہر اور فکشن کی شعریات اور ساختیات وغیرہ

ان عناوین سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نارنگ صاحب نے کس طرح ایک لائحہ عمل کے تحت اردو تنقید میں مختلف موضوعات پہ کام کیا۔جس سے ایک فکریاتی نہج تیار

ہوتی چلی گئی اور تنقید کا نیا بیانیہ بھی تشکیل ہوتا گیا۔ نارنگ صاحب اپنے مضامین کے متعلق خود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ادھر تنقید میں فکشن شعریات یا بیانات یا فکشن کی گرامر کی نئی گزرگاہیں روشن ہوئی ہیں۔ لہذا اسی لیے انہوں نے اس سلسلے میں پیش قدمی کرتے ہوئے فکشن کی شعریات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر شافع قدوائی رقمطراز ہیں کہ:

> گزشتہ چار دہائیوں سے گوپی چند نارنگ دلجمعی کے ساتھ فکشن سے متعلق نظری اور عملی پہلوؤں پر مضامین لکھ رہے ہیں اور فکشن تنقید کے نئے میلانات ورجحانات اور علم بیانات کے نظری مباحث اور عالمی تناظر سے اردو دنیا کو مسلسل واقف کرا رہے ہیں۔ (7)

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ نارنگ صاحب کی یہ کتاب ان کی دیگر اہم تنقیدی کتب کی طرح ایک تھیسس کے طور پہ مرتب ہوئی ہے۔ جس کا مطالعہ کر کے فکشن میں نئی کہانی کے التزام اور اس کی بنت کے متعلق بنیادی نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ زمانی اعتبار سے پیش کیا ہوا تنقیدی محاکمہ ہمیں اردو فکشن کے تنقیدی ادوار کا درس تو دیتا ہی ہے ساتھ ہی فکشن کے ارتقا اور فکشن تنقید کی بڑھتی ہوئی معنویت سے روشناس کرواتا ہے۔ نارنگ صاحب نے اپنی اس کتاب میں جن کتب ورسائل سے مدد لی ہے اس کا تذکرہ کتاب کے اختتام پہ کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک تنقیدی کتاب نہیں بلکہ تحقیقی فن پارہ بھی ہے۔

ادب اور نفسیات (دیوندر اسر)

دیوندر اسر معروف افسانہ نگار، نقاد اور ادب کے مسائل و امکانات پر فکر انگیز تحریروں کے لئے جانے جاتے تھے۔"ادب اور نفسیات" جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں کن چیزوں کے متعلق بات کی گئی ہے۔ یہ کتاب ان کے 16 مضامین کا مجموعہ ہے جو 166 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1963ء میں یونین پریس دہلی سے چھپی تھی۔ کتاب کا انتساب پنڈت شری ناتھ اسر ایڈووکیٹ کے نام ہے۔ اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین میں نفسیات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ ایک دو مضمون" اردو افسانہ، ایک مطالعہ، اور اردو شاعری ایک مطالعہ چھوڑ کر باقی تمام موضوعات میں نفسیات، شعور، لاشعور، جنس، فرائڈ، ژونگ، جنسیات کے لفظ شامل ہیں جن سے ان مضامین میں ہونے والی بحث کا پتہ چلتا ہے۔ پیش لفظ میں وہ جدید ادب اور نفسیات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جدید ادب نفسیات کے نئے نظریوں کی روشنی میں فرد اور اس کے ذہنی عمل میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے لگا ہے۔ جدید ادب میں ایک مخصوص نظریہ تو کردار کی ذہنی کیفیت کے بیان ہی کو اپنا مقصود سمجھتا ہے۔ جدید ادب میں ہمیں اکثر اوقات فرد اس کے ذہن اس کے لاشعور یا قوت اور ذہنی کیفیت کے گونا گوں تجربات کا بیان ملتا ہے۔ ان رجحانات کی اشاعت کا باعث فرائڈ، ژونگ اور ایڈلر کے نظریات ہیں۔ حوالہ صفحہ نمبر 10''

فرائڈ اور ادب، یہ اس کتاب کا پہلا مضمون ہے جس میں جدید ادب پر فرائڈ کے ہونے والے اثرات کا بیان ہے۔ تحلیل نفسی، اور فرائڈ کے بیان کردہ دیگر نظریے، جیسے بچہ کس طرح کمسنی میں خاندان، سماج، مذہب اور قومیت کے زیر اثر پرورش پاتا ہے اور یہ رجحانات زیادہ تر جنسی ہوتے ہیں۔ ان نظریات کا اردو میں اس سلاست و روانی سے ذکر کیا ہے جسے پڑھ کر ادب کا ہر قاری آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ فرائڈ بچوں اور فن کار کی ذہنی سطح کا موازنہ جس انداز سے کرتا ہے اس کا ذکر بھی اس مضمون میں شامل ہے۔ فرائڈ نے شیکسپیئر کے ڈراموں کے تمثیلی پہلوؤں پر جو روشنی ڈالی ہے اسکا ذکر بھی اسی مضمون میں ہے۔

''ادب پر تحلیل نفسی کا اثر'' یہ اس کتاب کا دوسرا مضمون ہے۔ ادب میں فرائڈ کے نظریات سے کئی نئے رجحانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سر ریلزم، شعور کا بہاؤ، داخلی مونولاگ، تحلیل نفسی وغیرہ۔ اس مضمون میں ادب پر تحلیل نفسی کا کیا اثر ہوا؟ کن کن ناول نگاروں نے تحلیل نفسی کا اثر قبول کیا؟ کا حوالے کے ساتھ ذکر ہے۔ جیسے ربیکا ویسٹ کا ناول ''سپاہی کی واپسی''، تحلیل نفسی پر مبنی علاج کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اردو ادب نے جس طرح فرائڈ کو اپنایا، منٹو اور عصمت نے جنس کے جن موضوعات پر افسانے لکھے یا اردو کے دوسرے لکھنے والوں نے خارجی زندگی سے پیدا ہونے والے داخلی تاثرات، جذبات اور ذہنی کیفیت کی ترجمانی جس طرح اپنے افسانوں میں کی ہے ان تمام احوال کا ذکر اس مضمون میں شامل ہے۔

اس کتاب میں ایک مضمون ''ژونگ اور ادب'' کے نام سے ہے جس میں ژونگ کے نظریہ اور ادب کا ذکر ہے۔ انہوں نے اس مضمون میں لکھا ہے کہ ژونگ ابتدا میں فرائڈ کے تحلیل نفسی کے طریقہء کار سے بہت متاثر ہوا مگر اس نے دبی ہوئی خواہشات اور الجھنوں کے تجزیے کے لئے تلازمانی امتحان جسے انگریزی میں ''ایسوسی ایشن ٹیسٹ'' کہا جاتا ہے کا اضافہ کیا۔ اس مضمون کے ذریعے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ کہ ژونگ کے اثر سے نقادوں نے دیومالا کی نئ تفسیریں پیش کی ہیں اور ادیبوں نے نئ اساطیر کی تخلیق کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون کے درمیان میں بعض جگہ نطشے، ٹی ایس ایلیٹ کے اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں۔

''ادب اور فحاشی'' اس نام سے ایک مضمون بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ مضمون کا یہ موضوع ادب کا کوئی نیا موضوع نہیں ادب میں جنس کا بیان ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ جنس کے حوالے سو وہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ سوال کافی پیچیدہ ہے کہ ادب میں جنس کا بیان کیسے کیا جائے اور اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ اس کا بیان کیسے نہ کیا جائے۔'' حوالہ۔ صفحہ نمبر 127

انہوں نے آگے تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ آخر وہ کون سا پیمانہ بنایا جائے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ تحریر فحش ہے اور یہ تحریر فحش نہیں، لوگوں کو کس بنا پر باخلاق یا بد اخلاق قرار دیا جائے۔ اس مضمون میں انہوں نے فحاشی اور پورنوگرافی کا فرق پیش کیا ہے اور ڈی ایچ لارنس کا ایک اقتباس بھی اس حوالے سے پیش کیا ہے۔ ان مضامین کے

علاوہ اس کتاب میں جو مضمون شامل ہیں ان کے نام ہیں۔شعور کا بہاؤ، نفسیاتی تنقید، ادب اور نیوراسس، مطالعہ اور نفسیات، سرریلیزم، خواب اور حقیقت کا سنگم، تمثیلات اور سمبالسٹ تحریک، لاشعور اور تخلیق فن، دنیائے افسانہ کے باشندے، ادب اور جنسیات، ادیب حقیقت کی تلاش میں، اردو افسانہ ایک مطالعہ، اردو شاعری ایک مطالعہ۔ یہ تمام مضامین بہت بڑے مضامین تو نہیں مگر مختصر اور جامع ہیں۔ان مضامین کی سب سے بڑی خوبی سادہ اور آسان زبان ہے۔جس سے بات کو سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔اس کتاب کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جدید ذہن پر اور ادب پر فرائڈ کا اثر کتنا گہرا ہے۔

فکروادب (دیوندراسر)

ادب میں افادیت اور اظہاریت کے استفسارات پہ گزشتہ پانچ دہائیوں میں خوب کام ہوا، لیکن ہم اس سے قبل کی بات کریں تو ہمیں فکریات کے مسائل پر بہت زیادہ کتابیں نہیں ملیں گی۔ایسے دور میں دیوندراسر کی کتاب فکروادب ایک نعمت سے کم نہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1958 میں شائع ہوئی تھی جس میں فکراورادب ان دوموضوعات کے تحت اکیس مضامین لکھے گئے تھے۔ان مضامین میں ادب کی ماہیت اور اس کی پرکھ کے مباحث شامل ہیں۔کسی فن پارے کی تعین قدر اور اس کے فنی لوازم کی افہام و تفہیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ ایک معنی خیز کتاب ثابت ہوئی۔ کتاب بنیادی طور پر پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ 1۔ جدید ادبی فکر، 2۔ جدید فکر اور ادب، 3۔ادیب کے مسائل، 4۔ادب کے مسائل اور 5۔تنقید کے مسائل۔ان ابواب کو دیکھ

کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ کتاب نظری تنقید سے متعلق ہے۔لیکن اس میں موجود مضامین نظری کے ساتھ عملی تنقید کا نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔اظہاریت اور ادب، افادیت اور ادب، ٹالسٹائی اور رچرڈز، مارکسی نظریہ تنقید، ترقی پسند ادب، ادب اور لاشعور، جدید فکر کا پس منظر، جدید فکری رجحان، سرریلزم اور وجودیت، ادب میں نیا شعور، ادیب کی آزادی، ادیب اور ریاست، ادیب اور سرکاری سرپرستی، ادب جمہوریت اور آمریت، ادب اور پروپیگنڈا، ادب میں سرد جنگ، ادب میں جمود، ادیب کی موت اور تنقید کا منصب وغیرہ جیسے موضوعات بتاتے ہیں کہ اس عہد میں لکھی ہوئی یہ وہ واحد کتاب ہے جس میں ادب کے مسائل کو اتنے وسیع تناظر میں فکر بلیغ کے ساتھ دیکھا گیا۔دیوندر اسر نے اپنی کتاب میں ادیب کی حرکی اور نفسیاتی بازگشت کو سمجھ کر اس کی تفہیم پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ادب کے ان معنی کو ظاہر کرنے کا لازمہ مرتب کیا ہے۔ایک بات یہاں غور طلب یہ ہے کہ جدیدت کے زمانے میں تنقید کی اتنی بصیرت افروز کتاب کسی نے نہیں لکھی۔انیس ناگی کی لسانی شعریات جو اسی نوع کی کتاب ہے وہ دیوندر اسر کے بہت بعد منظر عام پہ آئی اور شمس الرحمن فاروقی کی تنقیدی افکار بھی۔لیکن جیسی مقبولیت ان کتابوں کو ملی کیا وجہ ہے کہ دیوندر اسر کی کتاب کو نہ مل سکی۔اس کتاب میں مغربی مصنفین کے تنقیدی بیانیے بھی شامل کیے گئے ہیں۔وہ بھی حالی سے بہت بہتر اور نئے زاویوں سے۔اردو تنقید میں غیر مسلموں کی خدمات کو اکثر فراموش کیا جاتا ہے، لیکن دیوندر اسر کی اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ 60 کی دہائی میں اردو تنقید میں غیر مسلموں نے اہم پیش رفت کی تھی۔ اس کتاب میں سماجی ادب پہ بھی پہلی مرتبہ گفتگو کی گئی ہے۔جس کو بہت بعد میں باقاعدگی سے محمد حسن نے اپنا موضوع بنایا۔دیوندر اسر نے ادب اور افادیت کے ساتھ ادب اور

سماج کے ان دیکھے رشتوں پہ ایک نوع سے گفتگو کا آغاز کیا اور اس سماجی اور لسانی روابط کی بحث 80 کی دہائی میں آ کر اپنے اثرات قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ مارکسی تنقید کے بہت سے نمونے حالاں کہ اس عہد کی تنقید میں مل جاتے ہیں، مگر یہاں بھی اسر کی اس کتاب میں موجود مارکسی تنقید کے نظریے کو انفراد حاصل ہے۔

(2)

غزل اور نظم کے میدان میں موجودہ عہد کے غیر مسلم شعرا نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ یقیناً قابل اعتراف ہیں۔ ہم اکثر نئی غزل کے حوالے سے چند ناموں تک ہی محدود رہتے ہیں اور یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ 1960 کے بعد ہندوستان میں غزل کہنے کا رجحان نئے انداز میں سامنے آیا اور جیسے جیسے ہم اکیسویں صدی کے قریب آتے ہیں اردو غزل میں غیر مسلم شعرا نمایاں ترین لگنے لگتے ہیں۔ موجودہ عہد میں بھی کم و بیش سو نام ایسے ہیں جو غزل کے نمایاں ترین نام کہے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں نظم کہنے والے شعرا کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد دو سو سے تجاوز کر جائے گی۔ یہاں میں چند شعرا کے نام پیش کر رہا ہوں ملاحظہ کیجیے:

پریم وار برٹنی، عزیز پریہار، ستیہ پال آنند، شباب للت، کرشن کمار، سکشنا انجم، آشا پربھات، ہریش چندر شوق، کشمیری لال ذاکر، نریندر لوتھر، اندرا شبنم اندو، راجیند رسنگھ، بی، ایس جین جوہر، اودیش رانی، مہندر پرتاپ چاند، دیپٹی مشرا، راجیش آنند اسیر، راجیش عنبر، طفیل چترویدی، ادھو مہاجن بسمل، چرن سنگھ بشر، سیما گپتا، ساگر ترپاٹھی، روجا ضیا، ڈاکٹر لکشمن شرما واحد، نلنی وبھا ناز، تلک راج پارس، مہندر

کمار ثانی، وپل کمار، پلو مشرا، ابھنندن پانڈے، راہل جھا، مراد جے پوری، مادھو کوشک ، انکتا گرگ، ابھیشیک شکلا، سوپنل تیواری، لتا حیا، نیلم بھٹی ، الکھ نرنجن، آرش سرکار، ابھیشیک کمار امبر، اتکرش مسافر، اجول وششٹھا، آشو مشرا، آشوتوش تیواری، آشوتوش مشرا ازل، آلوک مشرا، امت احد، امت جھا راہی، امت مشرا میت، انجلی سنگھ، انجلی یادو سحر، انکت گوتم ، بکل دیو، پرشانت شرما راز، پوجا بھاٹیہ، پونم یادو، ترکش پردیپ، تری پراری، چراغ شرما، دھیرندر سنگھ فیاض، دیپک شرما دیپک ، رتیش سنگھ راہل، رشمی بھاردواج، روہت سونی تابش، سچن شالنی، سندیپ کنول نادم، سوربھ شرما صدف، گائتری مہتا، گیتانجلی رائے، متالی راج، نتیش کشوایا، نشانت شریواستو نایاب ، نویش ساہو، وجے شرما ، ورشا گورچھیہ، کلدیپ کمار، وکاس شرماراز، ہمانشو پانڈے اور ہیما کنڈپال حیا۔

مندرجہ بالا نام اختصار کے باعث منتخب کر کے پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں کئی شاعر ایسے ہیں جن کے کئی کئی دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ موجودہ عہد میں نئی غزل کی لفظیات کو مرتب کرنے میں ان میں کئی شعرا نے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ میں یہاں چند ایک شعرا کے کلام کا تنقیدی جائزہ پیش کر رہا ہوں تا کہ اندازہ لگایا جا سکے کہ موجودہ عہد کے شعرا کے لسانی زاویے اور ان کی فنی بصیرت کتنی مختلف اور کثیر الجہات ہے۔ پہلے منتخب شعرا کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

مقام وصل تو ارض و سما کے بیچ میں ہے
میں اس زمین سے نکلوں تو آسماں سے نکل

ابھیشیک شکلا

روشنی میں لفظ کے تحلیل ہونے جانے سے قبل
اک خلا پڑتا ہے جس میں گھومتا رہتا ہوں میں

مہندر کمار ثانی

دل بھی عجیب خانہ وحدت پسند تھا
اس گھر میں یا تو تو رہا یا بے دلی رہی

وپل کمار

وہ نشہ ہے کہ زباں عقل سے کرتی ہے فریب
تو مری بات کے مفہوم پہ جاتا ہے کہاں

پلو مشرا

درمیاں جو جسم کا پردہ ہے کیسے ہوگا چاک
موت کس ترکیب سے ہم کو ملائے گی نہ پوچھ

ابھنندن پانڈے

ازل سے میری حفاظت کا فرض ہے ان پر
سبھی دکھوں کو میرے آس پاس ہونا ہے

راہل جھا

وہ ماہ پارہ ملن سے پہلے بہت خفا تھی
اب اس کے بوسے چھٹا رہا ہوں میں اس بدن سے

آشومشرا

بناتا ہوں میں تصور میں اس کا چہرا مگر
ہر ایک بار نئی کائنات بنتی ہے

ترکش پردیپ

میری کوشش تو یہی ہے کہ یہ معصوم رہے
اور دل ہے کہ سمجھ دار ہوا جاتا ہے

وکاس شرما راز

سماعت آپ کی آہٹ پہ آ کر ٹوٹ جاتی ہے
کہ یہ وہ ناو ہے جو تٹ پہ آ کر ٹوٹ جاتی ہے

ہمانشو پانڈے

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں کہ ہم اس شاعری کو جدید شاعری کہتے ہیں اور جدید شاعری ایک نہایت پیچیدہ موضوع ہے، ہر دو اعتبار سے یعنی اس کے عہد کا تعین کرنا کہ جدید سے ہماری کیا مراد ہے؟ اس لحاظ سے بھی اور اس کے موضوع اور ساخت کا تعین کرنا کہ اس ضمن میں جدید سے ہماری یہ مراد ہے۔ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جدید کے تصور سے اردو زبان وادب میں ہم کئی ادوار میں متعارف ہو چکے ہیں، مثلاً سرسید کے عہد سے لے کر شمس الرحمن فاروقی کے عہد تک۔ یہ تمام جدید ہماری روایت کا ایک اہم

حصہ ہیں جن کا Interpretation وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے۔ 1980 کے بعد کی اردو شاعری میں زندگی کے نئے موضوعات کا پیچیدہ اظہار اس بات کا ضامن تھا کہ ہم جدیدیت کے اس تصور سے اپنا پلہ جھاڑ چکے ہیں جس کا اثر ہمارے ذہنوں پر 1960 کے فوراً بعد قائم ہوا تھا۔ ترقی پسندی جس نے اردو کی نظم اور غزل دونوں کو ایک میکانکی کھونٹے سے باندھ کر ادب کے منظر نامے پر روشن کرنے کی سعی کی تھی اسے جدیدیت نے جس طرح از کار رفتہ گردانا اسی طرح مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے بعض رجحانات کو گرد ماضی بنا دیا۔ مابعد جدیدیت یقیناً ایک متنوع اور فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے ادب کی تشریح کرتا ہے، لیکن یہاں جدیدیت سے ہماری مراد اس تصور کے دائرے تک محدود شاعری سے نہیں ہے، بلکہ ہماری مراد اس شق سے واضح ہوتی ہے کہ 2000 کے بعد تا حال جو کچھ شاعری کے نام پر منظر عام پر آیا ہے۔ جس کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ 2000 کے بعد کے شعرا میں نہ صرف ان کو شامل کروں جن کا کلام 2000 کے بعد منظر عام پر آیا بلکہ ان کو بھی شامل کیا جائے جنھوں نے اپنے شعر کہنے کے عمل میں عروج 2000 کے بعد حاصل کیا۔ بہر کیف مندرجہ بالا اشعار میں کلاسکی رنگ کی جھلک صاف طور پہ دیکھی جا سکتی ہے وہ بھی جدید آہنگ کے ساتھ۔ نئی اردو غزل کے یہ چند نام اکیسویں صدی کے ربع اول کی پوری اردو شاعری کو درشاتے ہیں۔ ان اشعار میں شاعرانہ بانک پن بھی ہے اور فکر کی بوقلمونی بھی۔ ان اشعار کے مطالعے کے بعد بھی اگر کسی کو یہ گمان گزرتا ہے کہ نئی اردو شاعری میں غیر مسلموں کا کوئی حصہ نہیں تو اسے کور چشم ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان اشعار میں زبان و بیان، اسلوب و آہنگ، عروض و استعارہ اور شعر کے وہ تمام فنی محاسن ہے جو ہماری روایت کا حصہ بھی ہیں جو روایت ہمیں 1936 کے بعد سے

نہیں بلکہ میر کے عہد سے تا حال نصیب ہوئی ہے۔ ان نو جوانوں کے اشعار میں غالب سے جون ایلیہ تک تمام شعرا کی باز گشت موجود ہے اور ان کا انفراد یہ ہے کہ ان میں کچھ ایک نئ کروٹیں کلام کی ایسی بھی ہیں جو خود انہیں شعرا کے مزاج شعر کا حصہ ہیں۔

حواشی

1 ص:67،ذکرغالب،مالک رام،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،دہلی،1975۔

2 ص:6،حرف اول،غالب اور بنگال،شانتی رنجن بھٹاچاریہ،ہندوستان آرٹ پریس،کلکتہ،1977۔

3 ص:6،حرف اول،غالب اور بنگال،شانتی رنجن بھٹاچاریہ،ہندوستان آرٹ پریس،کلکتہ،1977۔

4 ص:28،ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں،گوپی چند نارنگ،سنگ میل،لاہور 2003۔

5 ص:29،ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں،گوپی چند نارنگ،سنگ میل،لاہور 2003۔

6 ص:133،غالبیات چند عنوانات،کالی داس گپتا رضا،ول پبلیکیشنز،ممبئی،1982۔

7 ص:14،فکشن شعریات کی تشکیل،شافع قدوائی،فکشن شعریات،گوپی چند نارنگ،ایجوکیشنل،نئی دہلی،2009۔

8 ص:10،ادب اور نفسیات،دیویندر اسر،مکتبہ شاہراہ،دہلی،1963۔

9 ص:127،ادب اور نفسیات،دیویندر اسر،مکتبہ شاہراہ،دہلی،1963۔

کتابیات

- تذکرہ نکات الشعرا، میر تقی میر، مترجم: حمیدہ خاتون، مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی
- تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مولف: سعادت خان ناصر، مرتب: ڈاکٹر شمیم انہونوی، نسیم بک ڈیپو، لکھنو
- تذکرہ طبقات الشعرا، قدرت اللہ شوق، مرتب: نثار احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔
- تذکرہ ہندی، مولف: مصحفی، مرتب: مولوی عبدالحق، ناشر جامع برقی پریس دہلی
- تذکرہ گلشن ہند، مصنف: مرزا علی لطف، ناشر اسٹیم پریس لاہور
- مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم، مرتبہ: محمود شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لاہور
- تذکرہ سراپا سخن، مصنف سید محسن علی موسوی، مرتب: سید سلیمان حسین، ناشر نایاب بک ڈپو نادان محل روڈ لکھنؤ۔
- تذکرہ چمنستان شعرا، مولف: لچھمی نارائن شفیق، مرتب: عطا کاکوی، ناشر: رئیس ادارہ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ
- تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

- اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔
- ہند آریائی اور ہندی، سنیتی کمار چٹر جی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔
- کیفیہ، دتاتریہ کیفی، دانش کدہ پبلیکیشنز، ممبئی۔
- لسانی مطالعے، گیان چند جین، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔
- اردو ہندی کا لسانی رشتہ، رام آسرا راز، راز اینڈ سنز، نئی دہلی۔
- اردو زبان اور لسانیات، گوپی چند نارنگ، رام پور رضا لائبریری، رام پور۔
- بنگالی کی زبانوں سے اردو کا رشتہ، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، نصرت پبلیکشنز، لکھنو۔
- آریائی زبانیں، سدھیشور ورما، سہیل پبلیکشنز، حیدرآباد۔
- تین ہندوستانی زبانیں، کے۔ ایس۔ بیدی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی
- ہندو شعرا، مولف: خواجہ عشرت لکھنوی، مطبوعہ: نامی پریس، لکھنو۔
- اردو ہندو شعرا، مقدمہ: رام آسرا راز، مولف: جگدیش مہتہ درد، مطبوعہ: حقیقت بیانی پبلشرز، نئی دہلی۔
- اردو کے ہندو ادیب، ناظر کاکوروی، مطبوعہ: محبوب المطابع، دہلی۔
- اردو کے غیر مسلم افسانہ نگار، دیپک بدکی، میزان پبلشرز، سری نگر، کشمیر۔
- پریم چند حیات اور فن، اصغر علی انجینیر، این سی ای آر ٹی، دہلی۔
- دیویندر ستیارتھی، ڈاکٹر عبدالسمیع، ادارہ تحقیق، نئی دہلی،۔
- عالمی اردو ادب، کشمیری لال ذاکر فن و شخصیت، مدیر: نند کشور وکرم، پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز، دہلی،۔
- رام لعل کی افسانہ نگاری، ظہیر آفاق، شان ہند پبلی کیشنز، نئی دہلی۔

- ذکر غالب، مالک رام، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔
- غالب اور بنگال، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ہندوستان آرٹ پریس، کلکتہ۔
- غالب اور بنگال، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ہندوستان آرٹ پریس، کلکتہ۔
- ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، گوپی چند نارنگ، سنگ میل، لاہور۔
- ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، گوپی چند نارنگ، سنگ میل، لاہور۔
- غالبیات چند عنوانات، کالی داس گپتا رضا، ول پبلیکیشنز، ممبئی۔
- فکشن شعریات کی تشکیل، شافع قدوائی، فکشن شعریات، گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل، نئی دہلی۔
- ادب اور نفسیات، دیویندر اسر، مکتبہ شاہراہ، دہلی۔

پس نوشت

خسرو فاؤنڈیشن: ایک نئی پہل

ہندوستان، جنت نشان جس نازک دور سے گزر رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہندوستان جو مذہبی، لسانی اور تہذیبی تکثیریت کا ملک ہے اور کثرت میں وحدت سے جس کی پہچان ہوتی ہے اور اس عظیم ملک کی تاریخ کا ہر دور انسان دوستی کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں شکتی اور شانتی بھکتوں کے گیتوں کا نتیجہ ہے اور ہندوستان ہمیشہ اس بات کا گواہ رہا ہے کہ دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے۔

پتہ نہیں ہندوستان کو کس کی نظر لگ گئی کہ سماجی قربتیں، فاصلوں میں بدلنے لگیں ہیں۔ اس دیس کے باسیوں کی بڑی تعداد اگرچہ آج بھی اس عدم اتفاق اور تفریق کا حصہ بننے کو تیار نہیں لیکن غالب ترین اکثریت بھی اگر خاموش رہے تو وہ اس کے وجود کو عدم میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اب زیادہ تر لوگ اپنی ذات کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ غم زمانہ کی جگہ درد ِتنہا سے دوچار ہیں اور وہ انسان جو کبھی ضمیرِ دشت و دریا تھا آج اسیرِ آشیانہ بنا ہوا ہے۔ زخموں کے تاجر، نفرتوں کے بیوپاری، دہشت و وحشت کے کاروباری ہندوستانی سماج کو اپنی دانست میں چھن بھن کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہا جا سکتا اور اس لئے

ضروری ہے کہ ایک بار پھر ان تمام علامتوں کو زندہ کیا جائے جو ''محبتوں کی گاتھا'' اور ''پریم کے ڈھائی اکچھر'' سے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑے رہے جن کے نزدیک مادرِ وطن، وہاں پیدا اور بسنے والے، اس کے دریاؤں کا پانی پینے والے، اس کے کھیتوں میں پیدا ہونے والے رزق سے اپنی بھوک مٹانے والوں کو پھر اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کا مذہب، زبان اور علاقہ کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن ماں اور ماٹی سے ان کا رشتہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کی مرضی کا نتیجہ ہے اور جس میں رب راضی اس میں سب راضی رہیں، تو ہی بہتری اور بھلائی ہے۔

ہندوستان میں ایک دوسرے کو جوڑنے والوں کا اگر ذکر کیا جائے تو ان کے نام اور کام گنانے میں کوئی دیر نہ لگے گی لیکن اگر ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے الگ کرنے والوں اور بانٹنے والوں کے نام کسی سے پوچھے جائیں تو اسے ان کے نام یاد کرنے اور بتانے میں بڑی مشکل آئے گی۔

اس سب کے باوجود آج پھر یہ دوریاں، یہ ٹکراؤ اور یہ تشدد بار بار کیوں دیکھنے کو مل رہا ہے؟ اس کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ ہم نے انہیں بھلا دیا ہے جنہیں ہمیں یاد رکھنا چاہیے۔ دیوی دیوتاؤں، پیغمبروں، پیروں اور رشیوں مُنیوں کے تیاگ، تپسّیا، سمرپن اور سیوا بھاؤ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے سندیش اور اپدیش ایک دفعہ پھر لوگوں تک پہنچائے جائیں۔

یہی وہ سوچ اور فکرمندی ہے جس کے تحت **''خسرو فاؤنڈیشن''** کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ حضرت امیر خسرو ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی وہ محبوب، دلنواز اور ہمہ گیر شخصیت ہیں جنہیں صدیاں گزر جانے کے باوجود یاد رکھا گیا اور ہمیشہ یاد رکھا جائے

گا۔ وہ بیک وقت صوفی بھی تھے اور سپاہی بھی، وہ شاعر بھی تھے اور ماہرِ موسیقی بھی، وہ مؤرخ بھی تھے اور تاریخ ساز بھی۔ غرض ان کی شخصیت کی عبقریت نے ان کو گوں ناگوں صفات کا حامل اور ہمہ جہت پہلوؤں سے اس طرح متصف کیا کہ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ میں بڑے بڑے نامیوں کے نشان مٹ گئے لیکن جب سے آج تک نہ صرف ہماری تاریخ کے جز بلکہ انسانی ذہنوں میں زندہ وتابندہ ہیں۔ مسرت کے لمحے ہوں یا یاس وغم کی گھڑیاں، خسرو کا نام اور کلام ہمہ وقت اپنی جاذبیت اور آفاقیت کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے۔

اس گتھی کو تو ماہرینِ نفسیات ہی سلجھا سکتے ہیں کہ خسرو نے کس طرح حال و قال، جنگ وجدل، سوز وساز، خانقاہ اور دربار کے درمیان توازن برقرار رکھا۔ یہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ انہوں نے یہ توازن اپنی شخصیت کے کھرے پن کے ساتھ قائم کیا تھا۔ ان کی ہر وابستگی اور ہر رول کھلی کتاب کی طرح سب پر عیاں تھا اور اس کھلے پن کے تعلقات کے باوجود زندگی بھر کامیاب رہے۔ صدق بہ تدبّر کی مثالیں امیر خسرو کی شخصیت کو ہمارے لئے اور بھی آئیڈیل بناتی ہیں۔

اس ''ترک نژاد'' کی وطن دوستی نہ صرف مثالی، بلکہ قابلِ رشک بھی ہے۔ خسرو کے نزدیک یہ سرزمینِ ہند، عدن کی جنت، یہاں کے لوگ ہر رنگ میں انہیں عزیز، یہاں کے درباروں کے آگے ایران، توران، خراسان کے دربار ہیچ۔ یہاں کے لوگ ہر صنعت، علم وادب کی ہر شاخ، فنونِ لطیفہ کے ہر میدان اور عسکری تربیت کے ہر انداز میں ''بے نظیر'' اہلِ ہند کا توحیدی مسلک انہیں باوجود ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے عزیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ (یعنی اہلِ ہند)

ہمارے جیسا دین نہیں رکھتے ،مگران کے اکثر عقیدے ہمارے جیسے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہندوستان، ہندوستان کی ہر روایت چاہے وہ مذہبی ہو چاہے تہذیبی، ثقافتی ہو یا لسانی، علمی ہو یا ادبی، اس کو خسرو کی طرح دیکھیں، اپنائیں، اس پر صدقے اور واری جائیں۔ خسرو جن کی ماں ہندی اور باپ ترک تھے، ایسے ہندوستانی ہیں جو ہندوستان کی عظمت کے ترانے ہی نہیں گاتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اس مٹی کا اس طرح حصہ بن جانا چاہتے ہیں جیسے یہ مٹی ہی سب کچھ ہو اور جس سے تعلق اور محبت کو الطاف حسین حالؔی نے یوں بیان کیا کہ:

تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

خسرو فاؤنڈیشن وطن دوستی، انسان دوستی، فطرت سے ہم آہنگی، ہر طرح کی تفریق چاہے وہ فرقہ وارانہ ہو یا جنسی سب سے اوپر اٹھ کر محبت کو عام کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے کہ بقول شیخ ابراہیم ذوقؔ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(ممبران بورڈ آف ڈائریکٹرس)

پروفیسر اختر الواسع	روہت کھیڑا
سراج الدین قریشی	رنجن مکھرجی